بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرما

(جلد سوم)


**تالیف**

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

**معاونین**

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر



ہاؤس نمبر A-15، سٹریٹ نمبر 15، کیولری گراؤنڈ، لاہور

042-36662099-0300-9422295


# تلخیص البخاری (جلد سوم)

تالیف: ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان


بسم الله الرحمن الرحيم

# اِظہارِ تَشکّر

ادارہ محترم محمد اسلم چوہدری صاحب چیف انجینئر (ر) کا ازحد ممنون ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی حتمی نظرِ ثانی میں اپنی بے لوث خدمت سے ہمارے اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

**دار العلم**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یوں فرماتا ہے کہ

**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝** (النجم ۵۳)

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرماتا ہے

# تلخیص البخاری

(جلد سوم)

**تالیف**

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

**معاونین**

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

ملنے کا پتہ

**دار العلم**

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بارِاوّل ..... ۱۰۰۰

تاریخ طباعت ..... جون۲۰۱۲ء

ناشر ..... دارالعلم
۱۴۱شاہ جمال کالونی، لاہور

ہدیہ ..... ۲۰۰روپے

مطبع ..... ایڈمن سٹوڈیو، ڈیزائنز اینڈ پرنٹر
۱۰-بی، شمع پلازہ، ۲۷-فیروز پور روڈ، لاہور

کمپوزنگ وڈیزائننگ.....حافظ محمد ناصر رشید

ملنے کا پتہ

**دار العلم**
۱۴۱شاہ جمال کالونی، لاہور
۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰

# تعارف

## ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان صاحب:

میڈیکل شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد سرکاری ہسپتال میں ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ سات سال اندرون ملک ملازمت کرنے کے بعد محکمہ صحت حکومت لیبیا کے پاس ملازمت اختیار کی۔ چار سال کے بعد وہاں سے برطانیہ روانہ ہو گئے۔ لیبیا کے قیام کے دوران عرب کلچر کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔

برطانیہ میں طویل عرصہ قیام کیا۔ اسی دوران ویانا یونیورسٹی میں میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک سال رہنے کا موقع ملا اور مشرقی یورپ کے کلچر کا بغور مطالعہ کیا۔ برطانیہ میں ملازمت کے ساتھ ساتھ میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے کوشش جاری رکھی اور ایم آر سی پی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر رائل کالج نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ایف آر سی پی کی اعزازی ڈگری سے بھی نوازا۔ ۱۹۹۱ء میں وطن واپس آ گئے اور یو سی ایچ لاہور میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر دس سال کام کیا۔ اب بھی جزوی طور پر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں چین جانے کا موقع ملا۔ وہاں اس اُبھرتی ہوئی سپر پاور کی طرزِ

زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اس وقت خاص طور پر دو چیزیں نوٹ کیں۔ ایک یہ کہ انکا ڈسپلن انہیں ایسے نظر آیا جیسے کسی ''اِسلامی ملک'' کا ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے انکے دِل میں پاکستان کیلئے انتہائی پُرخلوص جذبات کا مشاہدہ کیا۔ انہیں یقین ہے کہ ہمارا یہ عظیم دوست دُنیا کی سیاست میں عنقریب واحد سپر پاور بن کر اُبھرے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس طویل پروفیشنل سفر میں قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد انداز سے نوازا ہے۔

لیبیا اور یورپ کے قیام نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے میں ان پر بہت اثر چھوڑا ہے۔ انکی زیادہ توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث شریف ہمیں روزمرہ کی زندگی میں کیا رہنمائی کرتی ہے اور ہم کہاں تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور عمل نہ کرنے کے نتائج کیا نکل رہے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پہلو سے دیکھنے کا یہ انداز انہوں نے اپنی کتاب میں اپنایا ہے۔

## مفتی محمد صفدر علی صاحب:

مفتی صاحب دینی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیرونِ ملک تعلیم و تدریس سے منسلک رہے ہیں۔ کینیا میں کئی سال قیام کیا اور وہاں کی مسلم آبادی کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ انٹرنیشنل دینی کانفرنسز میں شمولیت کا اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔ آج کل ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔

بہترین دینی واعظ ہیں۔ اکثر جمعہ کے موقع پر لوگ انکے وعظ سے مستفید

ہوتے ہیں۔عوام الناس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے انکے پاس ہمیشہ مجمع لگائے رکھتے ہیں۔فقہی مسائل میں خاص رجحان اور تجربہ رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف میں انکے مشورے انتہائی مفید رہے۔اس کتاب کے مسودے کی بڑی محنت سے نظر ثانی کی ہے اور تنقیدی نگاہوں سے اس کتاب کو مفید تر بنایا ہے۔

## علامہ محمد طاہر صاحب:

محمد طاہر صاحب اعلیٰ تعلیمی اسناد سے مزین ہیں۔ایک دینی خاندان سے تعلق رَکھتے ہیں۔ایم اے (انگلش) اِسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے کیا۔درسِ نظامی منہاج القرآن یونیورسٹی سے کیا۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ایم بی اے کی ڈگری مشہورِ زمانہ یونیورسٹی لَمز (LUMS) لاہور سے حاصل کی۔مقابلے کا امتحان سی ایس ایس (CSS) پاس کیا اور وفاقی حکومت میں ملازمت شروع کی۔اس وقت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔خاص طور پر موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں انکا تعاون ہر پہلو سے انتہائی مفید رہا۔انکے تعاون کے بغیر اس کتاب کا منظر عام پر آنا تقریباً ناممکن تھا۔

ناشر

○.....○.....○

# یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

اکابر علماء کرام کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی صحیح بخاری شریف کی تشریحات ہر ایک کو آسانی سے دستیاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک عام آدمی حدیث شریف کے عملی پہلو کو سمجھنے میں دِقت محسوس کرتا ہے۔ حدیث شریف کے پیغام کو سمجھنے کے بجائے اسکی نگاہ ظاہری الفاظ پر ہی رہتی ہے۔ اس طرح اسکی روزمرہ کی زندگی میں اِسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

میں نے اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ حدیث شریف کے مفہوم کو سادہ اُردو زبان میں بیان کر کے اس پر تفصیلی بحث اس طرز پر کی جائے کہ حدیث شریف کا اصلی مدّعا سمجھ میں آ جائے اور پھر اسکی روشنی میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کیلئے جذبہ پیدا کیا جائے۔

انسان خطا کا پُتلا ہے۔ تمام انسان خطا کار ہیں، بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے، ''**اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۲) ترجمہ ''ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت (خلافت) پیش کی۔ انہوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اُٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

انسان کی تخلیق کرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ انسان میں

جہالت پائی جاتی ہے یعنی وہ خطا ضرور کرتا ہے، کوئی کم کوئی زیادہ تو ہمیں اس بات پر سیخ پا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خطا کار ہیں۔ اگر ہم اپنی خطاؤں کو پہچان کر رَفتہ رَفتہ ایک ایک کر کے دُور کرتے جائیں تو ہم بہتر سے بہتر انسان بنتے چلے جائیں گے۔ قوم انسانوں کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ بہترین انسان بہترین قوم کو جنم دیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قوم اسی طرح بنی تھی۔ ایک حیرت انگیز قلیل مدت میں وہ انتہائی نچلی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اس درجہ کی بہترین قوم بنے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو قرآن حکیم میں ''بہترین اُمت'' کا خطاب دیا۔

''**كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی دوسری قوم کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ آخری اُمت ہے لہٰذا یہ خطاب کسی اور اُمت کیلئے بھی نہیں ہوسکتا۔ انسانی تاریخ میں گزری ہوئی اُمتوں میں سے بھی یہ خطاب کسی کو نہیں دیا گیا۔

ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے اس اُمت کا حصہ ہیں اور ہمارے لیے بھی یہ خطاب ہے لیکن ذرا سوچیے، ہم عملی طور پر کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا اس زمانہ میں ہم اس خطاب کے لائق ہیں۔ اگر ہم بحیثیت اُمت کے ایک وقت میں سپر پاور تھے تو اب نہیں ہیں۔ ہمیں الفاظ کے ظاہری معنوں پر ہی نہیں رُک جانا چاہیے۔ اگر ہم اَب سپر پاور نہیں ہیں تو بہترین اُمت کا خطاب ہم پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ اسکو تو عمل سے ثابت کر کے دکھانا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آسمان کی بلندیوں سے گر کر تحت الثریٰ پہنچ چکے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

ایسا اسلئے ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی پیغام کو مدت دراز سے سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم ان کتابوں کی علمی بحث میں اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ انکے عملی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آہستہ آہستہ عمل چھوڑتے چلے گئے اور اب ہمیں قرآن حکیم اور حدیث شریف کو صرف مدرسوں اور مسجدوں میں پڑھنے کی حد تک محدود رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ گو ظاہراً ہم نے اِسلام کا لبادہ پہنا ہوا ہے مگر ہمارا پورا نظامِ زندگی اصلاً غیر اِسلامی بن چکا ہے۔

اس صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم اپنی خطاؤں کو تسلیم کرنا سیکھیں۔ پھر ان خطاؤں کو رَفتہ رَفتہ عمل کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرتے جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔

اپنی خطاؤں کو نہ ماننا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنی غلط باتوں پر اَڑے رہنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات ہم میں بہت زیادہ حد تک موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہم پسماندہ سے پسماندہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔

جب تک ہم اپنی غلطیوں کو مان کر انکو دُور کرنے کی حکمت عملی اختیار نہیں کریں گے، ہم پسماندہ قوم ہی رہیں گے۔ اس کتاب میں میری یہی کوشش ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی نشاندہی کریں، انکو تسلیم کریں اور انکو دُور کرنے کیلئے درست حکمت عملی اپنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اسکے راستے پر اَنتھک کوشش کریں تا کہ ہم پھر ''بہترین اُمت'' کے خطاب سے سرفراز ہو جائیں۔

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

○.....○.....○

# عرضِ مؤلف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہر انسان اپنی شخصیت کی ایسی نشوونما کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق بن جائے۔ شخصیت کی اس نشوونما میں جو کوشش وہ کرتا ہے اور جو مشقتیں وہ اُٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکو اَجر عطا فرماتا ہے۔ یہ اَجر اس دُنیا میں بہترین زندگی کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے۔

شخصیت کی یہ نشوونما آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کیلئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ ایک پودے کی پرورش کیلئے رات دِن اسکی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی سے سیراب کرنا، گرمی سردی سے بچانا، جانوروں اور انسانوں سے محفوظ رکھنا، کانٹ چھانٹ کرتے رہنا، اسکے تنے اور شاخوں کے رُخ کو سیدھا رکھنے کی کوشش کرتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ساری جانفشانی کا اَجر پھر کچھ سالوں کے بعد اس کے پھل کی صورت میں ملتا ہے۔ پھل کی صحت اور لذت درخت پر کی ہوئی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زیادہ محنت سے زیادہ صحت منداور لذیذ پھل حاصل ہوگا۔ محنت میں کوتاہی اور خامیوں کی وجہ سے یہ پودا اور اسکی شاخیں ٹیڑھے ہوسکتے ہیں اور اسکا پھل بھی صحت منداور لذیذ نہیں ہوگا۔ ایسا پھل مارکیٹ میں بہت ہی کم قیمت لاتا ہے۔ اسکے برعکس جس پودے کی پرورش محنت سے کی گئی ہو، اسکا پھل مارکیٹ میں زیادہ قیمت لائے گا۔

اگر آپ نے پودے کی بالکل ہی پرواہ نہیں کی تو وہ سوکھ جائے گا اور اس پر پھل بھی نہیں آئے گا۔ اگر کچھ آیا بھی تو انتہائی ناقص ہوگا اور مارکیٹ میں کوئی لینے کو تیار نہیں ہوگا۔

بالکل ایسی ہی مثال انسان کی ہے۔ انسان جب اپنے شجرۂ ایمان کی محنت سے

پرورش کرتا ہے تو اسکا نتیجہ صحت منداور پسندیدہ اعمال کی صورت میں نکلتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی قیمت بڑھ چڑھ کر عطا فرماتا ہے، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر انسان اپنے نفس پر محنت نہیں کرتا تو اسکی پرورش اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہوتی ہے جس پر پھل نہیں آتا۔ اگر کچھ آتا ہے تو خریدار یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، نہ اس دُنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یوں فرماتا ہے، ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۱۸)۔ ایسا انسان دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھاتا ہے۔

قوم افراد کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے شجرۂ ایمان کو محنت سے پالے گا تو قوم بھی صحت مند ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ قیمت کی مستحق ہو جائے گی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جیسا کہ آج کل ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی قوم کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اگر حدیثوں کے اس مجموعہ کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا معمول بنالیا جائے تو ایک صحت مند شخصیت پروان چڑھے گی اور ایک صحت مند قوم وجود میں آئے گی جیسے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ پھر آپکا یہ حق کہ ''.....اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۵) ترجمہ ''.....کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے'' کوئی آپ سے چھین نہیں سکے گا۔

○.....○.....○

# تمھید

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

(آلِ عمران۳، آیت۱۳۹)

**ترجمہ** ''نہ ہی اپنے آپکو کمزور سمجھو اور نہ ہی اس بات کا غم کھاؤ (کہ تمہارے وسائل کم ہیں)۔ غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ تم مؤمن ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے کامیابی اپنے راستے میں محنت کرنے پر رَکھی ہے دُنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے دو ہی راستے ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا غیر اللہ کا۔ اس زمین پر غیر اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے انسان دونوں جہانوں میں خسارے میں رہتا ہے۔ یہاں اسکو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نہیں ملتی اور آخرت میں اسکا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے پر محنت کرنے سے اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر مدد فرماتا ہے اور آخرت میں اسکا ٹھکانہ اَبدی نعمتیں یعنی جنت کا مقام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ ذوالمعارج ہے یعنی جیسے زِینہ ہوتا ہے کہ انسان اس پر چل کر درجہ بدرجہ ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ اسکا آخری وقت آ جاتا ہے۔ فرد اور قوم جب اس زِینے پر اللہ تعالیٰ کو سامنے رَکھ کر چڑھتے ہیں تو انکا ایمان ہر قدم پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر اس قوم کی سپریمیسی (Supremacy) اسکے ایمانی معیار پر رَکھی ہے۔ جتنا ایمانی معیار بلند ہوگا، اتنا ہی وہ ملک اور قوم دُنیا کے باقی تمام ملکوں سے زیادہ طاقتور اور غالب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا راستہ جسکی تشبیہ میں نے زِینہ سے دی ہے، طے کرنا سخت محنت طلب اور اذیت ناک ہے لیکن اسکے ثمرات انتہائی خوشگوار اور بلند ہوتے ہیں۔ یہ

راستہ اولوالعزم لوگوں اور قوموں کا راستہ ہے۔

اس وقت جو قومیں سپر پاور (Super Power) نظر آتی ہیں، وہ دَراصل ایمان کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ عملِ شیطان سے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کسی گلی یا قصبہ میں کوئی بدمعاش چند دِن کیلئے باقی لوگوں پر غالب آ جائے لیکن بالآخر وہ اپنے بُرے انجام کو پہنچ جاتا ہے اور صحیح لوگ اسکی جگہ لے لیتے ہیں۔

ہر وہ عمل جو غیر اللہ کیلئے کیا جاتا ہے، وہ عملِ شیطان ہے۔ قرآن کریم میں ہے، ''**فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ**'' (المؤمن ۴۰، آیت ۱۴) ترجمہ ''سوتم لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو، اسکے دِین کے ساتھ پوری طرح مخلص ہوکر'' یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل قبول ہوگا جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کیا گیا ہوگا، اس میں کسی اَور شے کی ملاوٹ مثلاً نفس، رِیا، شہرت، دُنیاوی فائدہ اور اقتدار وغیرہ وغیرہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کرلیا جائے گا تو وہ سارا عمل غیر اللہ کا بن جائے گا جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے۔ جو ملک بھی ترقی کر رہے ہیں یا اپنے آپکو ترقی یافتہ سمجھتے ہیں، انکی ترقی کی بنیاد دُنیاوی مفادات پر ہے۔ انکی تجارت، انکی اَمانت، انکی خدمتِ خلق، حقوق العباد کی ادائیگی، عدالتوں میں انصاف، رفاہِ عامہ کے بے شمار کام، سب کے سب غیر اللہ کی بنیاد پر چل رہے ہیں، اسلئے گو وہ ظاہری طور پر بہت بڑی نیکی کے کام نظر آتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی درجے میں بھی غیر اللہ کیلئے کوئی کام قبول نہیں فرماتا۔

اس کتاب میں ہم نے احادیث مبارکہ کا موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق چناؤ کیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اگر ان احادیث مبارکہ کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا جائے تو آپکی شخصیت اور آپکی قوم میں وہ عزم پیدا ہو جائے گا جسکی بنا پر اللہ تعالیٰ آپکو دُنیا میں غلبہ عطا کرے گا اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ٹھکانہ دے گا۔ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن.....وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰه**

○.....○.....○

# فہرست


| حدیث نمبر | مضمون | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | اللہ رَبّ العزت کی شانِ رحیمی | ۱ |
| ۲ | مقبولیت (اور غیر مقبولیت) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے | ۵ |
| ۳ | نمازِ فجر اور نمازِ عصر مشہود ہیں | ۸ |
| ۴ | گھر میں کتا یا تصویر (جاندار کی) رَکھنا منع ہے | ۱۰ |
| ۵ | زمانہء برزخ کی کیفیت | ۱۳ |
| ۶ | وہ بات تم کیوں کرتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے؟ | ۱۵ |
| ۷تا۱۶ | راہِ حق سے ہٹانے کی شیطان کی کوششیں | ۱۹تا۲۳ |
| ۱۷ | عورت سے حسنِ سلوک کی نصیحت | ۲۶ |
| ۱۸ | نیک اعمال کی فضیلت | ۲۸ |
| ۱۹ | جب تمہارے حکمران بھیڑیئے ہوں گے | ۳۲ |
| ۲۰ | ایمانداری کی برکت سے حکیمانہ فیصلہ | ۳۵ |
| ۲۱ | سابقہ قوموں کی ہلاکت کی وجہ (ہمارے لیے ایک واضح تنبیہ) | ۳۹ |
| ۲۲ | آپکے رویّے کا ردِّعمل | ۴۲ |
| ۲۳ | جس میں حیا نہیں، وہ جو چاہے کرے | ۴۵ |
| ۲۴ | تکبر کا انجام | ۴۷ |
| ۲۵ | مؤمن اور منافق میں فرق | ۵۰ |
| ۲۶ | ختمِ نبوّت کی دلیل | ۵۲ |
| ۲۷-۲۸ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسنِ اخلاق | ۵۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۹ | نظامِ اسلام کے نفاذ کی برکات | ۵۷ |
| ۳۰ | فتنوں کا دَور اور نمازِ عصر کی فضیلت | ۶۲ |
| ۳۱ | دوسرے کا حق اَدا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو | ۶۴ |
| ۳۲ | نظامِ اسلام عدل کی ضمانت دیتا ہے | ۶۶ |
| ۳۳ | ملکی دِفاع کیلئے ہر شہری کا ہر وقت تیار رہنا فرض ہے | ۶۸ |
| ۳۴ | عظمتِ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین | ۷۵ |
| ۳۵ | عظمتِ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ | ۷۷ |
| ۳۶ | عظمتِ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین | ۸۰ |
| ۳۷ | اسلام میں پہلی ہجرت فی سبیل اللہ اور اسکے ثمرات (مقابلہ کریں زمانہ حال میں ہجرت فی سبیل اللہ، تلخیص البخاری، جلد اوّل) | ۸۱ |
| ۳۸ | حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جذبے کی انتہا | ۸۵ |
| ۳۹ | صدقہ دینے کی ترجیحات | ۹۰ |
| ۴۰ | سورۂ بقرہ کی آخری دو (۲) آیات مبارکہ کی فضیلت | ۹۲ |
| ۴۱ | مؤمن کا صحیح گھر تو آخرت کا گھر ہے | ۹۴ |
| ۴۲ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی اُمّت کے ساتھ مل کر مساوانہ طریقے پر محنت ومشقت کی ایک مثال | ۹۷ |
| ۴۳ | غزوہ ''ذاتِ رقاع'' میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مشقت | ۹۹ |
| ۴۴ | کیا ہم کھجور اور جَو کی بھوسی ہیں؟ | ۱۰۲ |
| ۴۵ | زمانہءاَمن میں تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَر) کو پست آواز سے کہنا زیادہ فضیلت رَکھتا ہے | ۱۰۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۶ | خودکشی کرنے والا جہنمی ہے | ۱۱۱ |
| ۴۷ | اَربوں کی خیانت تو درکنار، ایک تسمے تک کی خیانت کرنے والا بھی جہنمی ہے | ۱۱۴ |
| ۴۸ | شراب کی حرمت | ۱۲۱ |
| ۴۹ | امیر کی فرمانبرداری صرف معروف (نیک کام) میں ہے | ۱۲۴ |
| ۵۰ | مظلوم کی بددُعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں | ۱۲۷ |
| ۵۱ | خلوصِ نیّت کا ثواب | ۱۲۹ |
| ۵۲ | عورت کی حکمرانی میں خیر نہیں | ۱۳۱ |
| ۵۳ | نمازی اور فرشتے کی آمین میں موافقت بخشش کا سبب | ۱۳۳ |
| ۵۴ | نمازِ عصر کی فضیلت | ۱۳۵ |
| ۵۵ | انسان پر تقدیر غالب آنے کی ایک مثال | ۱۳۷ |
| ۵۶ | مسکین کون.....؟ | ۱۴۰ |
| ۵۷ | حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ایمان کی ایک جھلک | ۱۴۳ |
| ۵۸ | زکوٰۃ اَدا نہ کرنے کا آخرت میں انجام | ۱۴۶ |
| ۵۹ | اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈَرو | ۱۴۸ |
| ۶۰ | اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند اسکی اپنی مدح یعنی ذِکر اللہ | ۱۵۰ |
| ۶۱ | نیکی کو خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، حقیر نہیں سمجھنا چاہیے | ۱۵۲ |
| ۶۲ | گناہوں پر پردہ ڈالنا اور آخرت میں انجامِ خیر | ۱۵۴ |
| ۶۳ | زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھیں | ۱۵۶ |
| ۶۴ | دُعا بعد اَز اذان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت | ۱۵۹ |
| ۶۵ | قیامت میں موت کو موت | ۱۶۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ٦٦ | نیک اعمال کا صلہ | ١٦٣ |
| ٦٧ | زمانے کو بُرا نہ کہو | ١٦٥ |
| ٦٨ | سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا خوف کس پر؟ | ١٦٦ |
| ٦٩ | اللہ رَبّ العزت کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ! | ١٦٩ |
| ٧٠ | جنت میں دیدارِ الٰہی | ١٧٢ |


○.....○.....○

**حدیث ۱:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لمّا قَضَی اللّٰهُ الخَلقَ کَتَبَ فِیْ کِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اَنَّ رَحْمَتِیْ غَلَبَتْ غَضَبِیْ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۲۹۸۲)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب اللہ رَبّ العزت نے کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے عرش پر یہ لکھ کر رکھ لیا کہ میری رحمت میرے غصّے پر ہاوی رہے گی''۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس بات کو اپنے پر لازم فرمالیا کہ پوری کائنات میں میری رحمت میرے غصّے پر ہاوی رہے گی۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ انسان کی غلطیاں معاف فرماتا رہتا ہے۔ اکثر انسان اپنی غلطی کی معافی مانگنے میں یا تو سستی کرتے ہیں یا اپنی غلطی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے، ''وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝''(النحل ۱۶، آیت ۶۱) ترجمہ ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے ظلم کی وجہ سے انکو فوراً پکڑتا رہتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والے جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک خاص وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب انکی وہ مہلت ختم ہوجاتی ہے تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تو ہے جسکے سائے میں ساری مخلوق زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت تو لامحدود ہے۔ انسانی ذہن جو محدود ہے، ایک لامحدود شئے کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے؟ پھر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّـہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ ''(الزمر۳۹، آیت۵۳) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! لوگوں سے فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر (غلط کام کر کے) ظلم کیا ہے، **اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہرگز نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔** یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا کلام پاک شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ''(الفاتحہ۱، آیت۱-۲) یعنی کائناتوں کا رَبّ وہ ہے جسکی صفت ہی یہ ہے کہ وہ ''رحمٰن'' ہے اور ''رحیم'' ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تو تھی کہ جب انہوں نے معافی مانگ لی تو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب دُور فرما دیا تھا۔ کیا ہمارے لیے یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہمارے حکمران قوم کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ سے اجتماعی توبہ کریں اور اپنے اعمال کو **درست کرنے کا تہیہ** کر لیں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ ہمیں ضرور معاف فرمائے گا اور ہم جن بے شمار عذابوں میں گرفتار ہیں، ان کو دُور فرما دے گا۔ اجتماعی استغفار انفرادی استغفار سے قوم کیلئے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ قوم ترقی کی راہ پر گامزن تبھی ہو سکتی ہے جب ہم مشکلات کے بھنور سے نکلنے کی صحیح راہ پر کوشش کریں گے اور وہ ترقی، عزت، وقار اور آزادی حاصل ہو جائیں گے جسکا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ جو آخرت مانگے گا، ہم اسکو دُنیا میں بھی اسکا حصہ دیں گے اور آخرت میں بھی۔ ''فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ'' مِّمَّا کَسَبُوْا ط وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○ ''(البقرہ۲، آیت۲۰۰ تا ۲۰۲) ترجمہ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا (ہی) میں دے دے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور کوئی ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دُنیا میں (بھی) اچھی زندگی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھی زندگی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لینا۔ یہ وہ لوگ

ہیں جنہیں دونوں جہانوں میں حصّہ مل کر رہے گا بعوض اسکے جوانہوں نے عمل کیے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے''۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے،''مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا ○''(النساء۴، آیت۱۳۴) ترجمہ''جوصرف دُنیا کا اَجر چاہتا ہے (اسکومعلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ کے پاس تو دُنیا اور آخرت دونوں کا اَجر موجود ہے اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''یعنی اسکو دُنیا اور آخرت دونوں کا اَجر مانگنا چاہیے۔

مندرجہ بالا آیات مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان **امورِ دُنیا** کو دُنیا کے فائدے کیلئے سرانجام دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو پورے کا پورا اَجر اسی دُنیا میں دے دیتا ہے۔ جو انسان **امورِ دُنیا کو آخرت کی نیّت** سے سرانجام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو اِس دُنیا میں بھی اَجر عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔

## امورِ دُنیا، دُنیا اور آخرت کے تصور میں فرق:

امورِ دُنیا، دُنیا اور آخرت میں فرق اس مثال سے واضح ہو جائے گا۔ ایک آدمی دکاندار ہے اور وہ ایک چیز دَس (۱۰) روپے کی بیچ رہا ہے۔ یہ اسکا جائز منافع ہے اور وہ ہر گاہک سے خواہ مارکیٹ میں اس چیز کی قلّت بھی ہو جائے، دَس (۱۰) روپے ہی لیتا ہے۔ **وہ اس رویّے سے اپنی آخرت کما رہا ہے**۔ اس سے اللہ تعالیٰ اسکو دُنیا میں بھی اَجر دیتا ہے اور آخرت کا بھی۔

ایک دوسرا دکاندار ہے۔ وہ بھی یہ چیز دَس (۱۰) روپے کی ہی دیتا ہے لیکن جب یہ چیز مارکیٹ میں کم ہو جاتی ہے تو وہ اس چیز کی قیمت بڑھا کر دَس (۱۰) کے بجائے پندرہ (۱۵) روپے کر دیتا ہے۔ یہ پانچ (۵) روپے جو وہ زیادہ لے رہا ہے، گاہک کی مجبوری کو دیکھ کر، **یہ پانچ (۵) روپے اسکی دُنیا ہے**۔

دونوں ایک ہی کاروبار کر رہے ہیں لیکن ایک آخرت کما رہا ہے جبکہ دوسرا دُنیا۔

امورِ دُنیا (دُنیا کے معروف کام) کو دُنیا یا آخرت بنانا آپکی نیّت اور عمل پر منحصر ہے نہ کہ کام کی نوعیت پر۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے متعلق یہ فرمایا،''قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِّلّٰهِ ط كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَايُؤْمِنُوْنَ ○ ''(الانعام ۶، آیت ۱۲) ترجمہ'' کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ (سب) کس کی ملکیت ہے؟ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس نے مخلوق پر رحمت کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ یقیناً تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دِن۔ اسکے بارے میں کوئی شک نہیں۔ جو اپنے آپکو نقصان پہنچانے میں تُلے ہوئے ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے'' یعنی ایمان شرط ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۲:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادٰی جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَام اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحْبِبْهُ، فَیُحِبُّهُ، جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَام فَیُنَادِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَام فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهُ، اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ، الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۲۹۹۷)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں اور آسمان والے (یعنی تمام فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اسکی مقبولیت زمین میں اُتار دی جاتی ہے (اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں)''۔

**نوٹ:** انسان کی **شہرت** اور **بدنامی** اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر انسان اپنی بُرائیوں پر پشیمان ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہتا ہے تو وہ بدنامی سے بچ جاتا ہے۔ اگر اپنی بُرائیوں پر مُصِر رہتا ہے اور مغفرت مانگنے سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں بدنام فرما دیتا ہے۔ اس کا مشاہدہ روزمرہ کی زندگی میں ہمارے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ انسانی تاریخ کے صفحات بھی اس سے بھرے ہوئے ہیں جیسے نمرود، شداد اور فرعون کے واقعات۔

اسی طرح جو انسان نیکی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو نیک انسان کے طور پر مشہور فرما دیتا ہے لیکن انسان نیکی کرنے میں اگر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ گو اسکو دُنیا میں نیک تو مشہور فرما دیتا ہے لیکن **آخرت میں اسکا اَجر ضائع ہو جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں** آیا ہے کہ ایک عالم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم نے علم سے کیا فائدہ اُٹھایا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے تیرا نام بلند کرنے کیلئے تیرا علم لوگوں تک

پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے میری خاطر علم حاصل نہیں کیا اور نہ ہی میری خاطر علم آگے پہنچایا بلکہ تمہاری نیّت بہت بڑا عالم مشہور ہونے کی تھی تو ہم نے دُنیا میں تمہاری شہرت ایک بہت بڑے عالم کے طور پر کر دی۔ اب آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں (مشکوٰۃ)۔

اگر انسان نیکی **آخرت کی نیّت** سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو اس دُنیا میں اور آخرت میں بھی عزت عطا فرماتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کی نیکیاں اور انکی نیک نامیاں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر زندگی بسر کی، ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ یہ تو صرف چند ایک کا تذکرہ ہے کہ خلفائے راشدین اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگیاں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے تھیں۔ انکا جینا مرنا، اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا **سب اللہ تعالیٰ کی خاطر تھا**، اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انکے لیے فرمادیا، ''**اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ○ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ○**'' (البینہ ۹۸، آیت ۷-۸) ترجمہ ''جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (صرف اللہ تعالیٰ کی رَضا کیلئے) تو یہی لوگ بہترین مخلوق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنّتیں ہیں جن کے نیچے ندیاں جاری ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہ صلہ ہے اُس کیلئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہتا ہے''۔

ہمیں پوری قوت سے اس بات کو اختیار کرنا چاہیے کہ ہم جو کام بھی کریں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ اللہ تعالیٰ کی **رَضا** کیلئے کریں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری قوم کو دُنیا اور آخرت میں عزت بخشے گا کیونکہ **ذِلّت اور عزت** انکو ہی دیتا ہے جو اسکے **مستحق** ہوتے ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا ڈھونڈتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں عزت دے گا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے غصّے کو بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط**

بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ''○''۔(آلِ عمران۳، آیت۲۶) ترجمہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہیے! اے بادشاہت کے مالک تُو جسے چاہے، حکومت دے دے اور تُو جس سے چاہے، حکومت چھین لے۔ تُو جسے چاہے عزت دے اور تُو جسے چاہے ذِلّت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

ٹیپو سلطان کا مشہور نعرہ ''گیدڑ کی سو (۱۰۰) سالہ زندگی سے شیر کی ایک دِن کی زندگی بہتر ہے'' اللہ تعالیٰ نے آج بھی زندہ رَکھا ہوا ہے۔ ٹیپو سلطان کی اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربانی کو ذِکرِ خیر سے محفوظ کر دیا ہے۔ لندن کے البرٹ وکٹر میوزیم میں مَیں نے ایک مجسمہ دیکھا۔ ایک شیر ہے جس پر ٹیپو لکھا ہوا ہے اور اس شیر نے گورے کو چت گرایا ہوا ہے اور اسکے اوپر بیٹھا اسکو کھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ گورا خود اپنی ذِلّت خود اپنے ہاتھوں سے دُنیا کو دِکھا رہا ہے۔

اسکے برعکس بنگال کے بہت بڑے غدار جعفر کو قیامت تک بُرے نام سے لوگ پکارتے رہیں گے۔

اس وقت ہماری سیاست میں جعفر جیسے کردار موجود ہیں جنکی وجہ سے ملک دوراہے پر کھڑا ہے۔ شیر کہیں نظر نہیں آتے لیکن موجود ضرور ہیں۔ کیا ہمیں انہیں تلاش نہیں کرنا چاہیے؟ اور انکا ساتھ دینا نہیں چاہیے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عزت دے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ..... اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَلَآئِکَةُ یَتَعَاقَبُوْنَ مَلَآئِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَآئِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ الَّذِیْنَ بَاتُوْ فِیْکُمْ فَیَسْأَلُهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ فَیَقُوْلُ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ؟ فَقَالُوْا تَرَکْنَاهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ یُصَلُّوْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث، ۳۰۱۱)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے ہیں۔ کچھ فرشتے رات میں اور کچھ دِن میں اور فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جو فرشتے تم میں رات بھر رہتے ہیں، وہ آسمان میں چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے، 'تم نے (میرے بندوں کو) کیسے چھوڑا؟' وہ کہتے ہیں، 'ہم نے انکو چھوڑا جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور انکے پاس گئے تھے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کے ساتھ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، ''کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ○ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○'' (الانفطار ۸۲، آیت ۹-۱۲) ترجمہ ''(اے انسان) تُو تو یوم الدین (قیامت) کو جھٹلاتا ہے حالانکہ ہمارے دو (۲) معزز (فرشتے) تمہارے ہر عمل کو جو تم کرتے ہو، لکھ کر محفوظ کر رہے ہیں'' تاکہ یہ ریکارڈ قیامت میں ثبوت کے طور پر ہم آپکو دِکھا سکیں اور اس وقت تم جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ○'' (الکھف ۱۸، آیت ۴۹) ترجمہ ''جب قیامت کے روز نامہء اعمال حاضر کر دیا جائے گا تو مجرم لوگ ڈرتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے ہماری

کمبختی کہ اس نامہء اعمال نے تو کوئی بات (اچھی یا بُری) نہیں چھوڑی، نہ کوئی چھوٹی، نہ کوئی بڑی بلکہ سب کچھ قلمبند کر دیا گیا ہے۔ تو جو کچھ انہوں نے (دُنیا میں) کیا ہوگا، وہ حاضر پائیں گے اور (اس کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا) اور تیرا رَبّ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا''۔

اگر ہم اپنے اندر **پوری طرح یقین پیدا کر لیں** اور روزانہ پیدا کرتے رہیں کہ اس دُنیا میں جو کچھ ہم کر رہے ہیں، **قیامت کے روز ہم سے پوچھا جائے گا** اور اس کے مطابق ہم کو جزا یا سزا ملے گی تو ہم کوئی کام بھی کرتے وقت یہ ضرور سوچیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دِن اس عمل کا جواب دینا ہے۔ اس طرح ہم بہت سے کاموں سے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، بچ جائیں گے اور بہت سے ایسے کام جو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، انکو کرنے کیلئے آگے بڑھیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۴: اَبَاطَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاتَدْخُلُ الْمَلَآئِکَةُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ'' وَلَاصُوْرَةٌ'' تَمَاثِیْلَ۔** (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۱۳)

**ترجمہ:** حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس گھر میں کتّا یا جاندار کی تصویر ہو، اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔

**نوٹ:** دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ کتے کو ضرورت کیلئے رَکھنا ٹھیک ہے مثلاً گھر کی رَکھوالی کیلئے، مال کی حفاظت کیلئے، جانوروں کو چرانے اور انکی حفاظت کیلئے، شکار کرنے کیلئے، نابینا آدمی کی رہنمائی کرنے کیلئے وغیرہ وغیرہ۔

کتے کو بلامقصد رَکھنا ناپسند کیا گیا ہے مثلاً شوق کیلئے، دَوڑ میں حصّہ لینے کیلئے جس پر جوا بھی لگتا ہے، کتوں کی لڑائی کیلئے جو کہ ازخود ایک ظلم ہے اور اس پر بھی جوا لگتا ہے۔ ان حرکتوں سے وقت کا ضیاع ہونا، دولت کا برباد ہونا ظاہر ہے پھر کتوں سے کچھ بیماریاں بھی پھیلتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو **وقت** اور **دولت کا ضیاع** ناپسند ہے۔ ایسا کام جس میں نہ دُنیا کا فائدہ ہو نہ آخرت کا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے جسکا **نتیجہ اس دُنیا میں اور آخرت میں عذاب کا باعث ہوگا**۔ فرشتے داخل نہ ہونے کا یہی مطلب ہے۔

جاندار کی تصویر اسلئے منع ہے کہ یہ بالآخر شرک کی بنیاد بنتی ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگ اپنے خاندان کے بڑوں کی تصویریں (یعنی بت وغیرہ) فوت ہونے پر بنا کر گھروں میں رَکھ لیتے تھے۔ ان تصویروں اور بُتوں کا احترام ایسے ہی کرتے تھے گویا کہ وہ زندہ ہیں۔ اس عادت سے رفتہ رفتہ نبیوں، صالح بزرگوں اور فرشتوں کے بُت تراشے جانے لگے اور پھر یہ بُت مرکزِ عبادت بنا لیے گئے۔

اگر کسی کو مصوری کا شوق ہے تو وہ غیر جاندار چیزوں پر توجہ کرے۔ قیامت کے دِن جس نے جاندار کی تصویر بنائی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے وہ تصویر پیش کرے گا

اور فرمائے گا کہ اس میں جان ڈالو۔تم نے دُنیا میں میری صفتِ تخلیق کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی (یعنی شرک کیا)، اب اگر تم جان نہیں ڈالو گے تو میں تمہیں سزا دوں گا اور وہ جان نہیں ڈال سکے گا اور عذابِ الٰہی کا مستحق ہو جائے گا۔(ایک حدیث شریف سے مؤخذ)

## وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

اس حدیث شریف کی حکمت پر غور کرنے سے ہمیں موجودہ زمانے میں فوٹو گرافی کیلئے کچھ رہنمائی ملتی ہے۔ضرورت کے وقت جاندار مخلوق کی فوٹو گراف بنانا ناپسندیدہ نہیں ہے مثلاً پاسپورٹ کیلئے، شناختی کارڈ کیلئے، ڈرائیونگ لائسنس کیلئے، اسلحہ رَکھنے کی اجازت کیلئے، جرائم میں تشخیص کی خاطر ملزموں کا فوٹو لینا وغیرہ وغیرہ۔

جیسے کتا بے مقصد رَکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، اسی طرح فوٹو گرافی بھی بلامقصد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے البتہ ان چیزوں کی فوٹو گرافی جو جاندار نہیں ہیں مثلاً نباتات، قدرتی مناظر، سورج چاند ستارے، سمندر، پہاڑ وغیرہ اور معدنیات کی فوٹو گرافی جائز ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فائن آرٹس کے شعبوں کی کارکردگی میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکی اسلام اجازت نہیں دیتا۔وہ تمام اشیاء جو جاندار ہیں، انکی پینٹنگ کی اجازت نہیں ہے۔اسکے علاوہ بے جان چیزوں کی پینٹنگ جیسے قدرتی مناظر وغیرہ وغیرہ کی اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک مصوّر آیا جو جاندار چیزوں کی تصاویر فروخت کر رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں جاندار چیزوں کی تصویریں بنانے سے منع فرمایا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مصوّر کو فرمائے گا کہ جو کچھ تو نے بنایا تھا، اب اس میں جان ڈالو۔تم نے میرے ساتھ تخلیق میں شرک کیا ہے۔اب اسکی تمہیں سزا ملے گی''۔ یہ سنتے ہی مصوّر کا رنگ اللہ تعالیٰ کے خوف سے زَرد پڑ گیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسکو مشورہ دیا کہ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں بنا کر تم اپنی روزی کما سکتے ہو پھر کہیں اسکی جان میں جان آئی۔(صحیح بخاری)

ہماری حالت اب کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ نہ تو ہمیں جہنم کا خوف رہا اور نہ ہی جنت کا شوق۔ ہم بلاسوچے سمجھے جو اکثریت کیے جارہی ہے، ہم بھی کیے جارہے ہیں لیکن جسکو اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی توفیق دی ہے، اسکی تو حالت بدلنی چاہیے کہ وہ اکثریت جو غلط راستے پر ہے، اسکی پیروی نہ کرے۔ یہی تقویٰ ہے جسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ج صلے فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ ''(البقرہ۲، آیت۱-۲) ترجمہ ''الف لام میم۔ یہ وہ کتاب ہے یعنی قرآن کریم جس میں منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کا کوئی شک نہیں ہے اور یہ ہدایت صرف متقیوں کو ہی دیتی ہے''۔

متقی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند کو مدِّنظر رَکھتے ہوئے کام کرتا ہے اور معاشرے کے رواج اور اپنی خواہشات کی نفی کرتا ہے۔ اگر آپکو اپنے اَبدی گھر کی چاہت ہے تو اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیجئے اور جنت کا شوق اپنے دِل میں بسائیے۔ صحیح گھر تو آخرت کا ہی گھر ہے، دُنیا کا گھر تو چند روز کیلئے ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث۵:** عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَاِنَّہٗ یُعْرَضُ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ فَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَمِنْ اَھْلِ النَّارِ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۲۸)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسکا ٹھکانہ صبح وشام اسکو دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہو تو جنت اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ دکھائی جاتی ہے''۔

**نوٹ:** اس حدیث شریف میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہمارے تحت الشعور میں یہ بات ہر وقت رہنی چاہیے کہ ہم مرنے کے بعد یا تو جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں۔ اگر آدمی کو اس بات پر پورا یقین ہو کہ میرا ہر عمل لکھا جا رہا ہے جس کی بنا پر میرا حساب ہوگا تو انسان بُرائی سے بچنے کی کوشش کرے گا اور نیک کام کی طرف مائل ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا ج وَھُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ○ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتْ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ ط ھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○''(النمل ۲۷، آیت ۸۹-۹۰) ترجمہ ''جو کوئی نیکی لے کر آئے گا، سو اسکو اس سے بہتر اَجر ملے گا اور وہ لوگ اس روز کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے اور جو شخص بدی لے کر آئے گا، تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ تم کو سزا انہی کرتوت کی مل رہی ہے جو تم کرتے رہے تھے''۔

گو آخری حساب تو قیامت کے روز ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ یہ شخص جنتی ہے اور وہ جہنمی ہے لہٰذا مرتے ہی اُس کا معاملہ ایسے ہی شروع ہو جاتا ہے کہ یا تو وہ جنت میں ہے یا جہنم میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قبر یا تو جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا''۔ اگر وہ جنتی ہے تو اسکو کوئی عذاب نہیں دیا جاتا اور وہ آرام سے قیامت تک ایک پُرسکون حالت میں رہتا ہے اور جنت کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اگر وہ جہنمی ہے تو

مرتے ہی عذاب کا کچھ حصہ اس پر مسلّط ہو جاتا ہے اور دوزخ اسکو دکھائی جاتی ہے اور وہ قیامت تک مسلسل اسی صورتحال میں رہتا ہے، اسی کو **عذابِ قبر** کہتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

**مشورہ**

ہمیں قبرستان کی اکثر زیارت کے لیے جانا چاہیے کیونکہ وہاں جانے سے ہمیں موت یاد رہے گی۔ موت کی یاددہانی ہمیں نیک عمل کرنے اور بُرے کاموں سے بچنے میں مدد دے گی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶:** عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ قِیْلَ لِاُسَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَوْ اَتَیْتَ فُلَانًا فَکَلَّمْتَہٗ قَالَ اِنَّکُمْ لَتَرَوْنَ اَنِّیْ لَا اُکَلِّمُہٗ اِلَّا اُسْمِعُکُمْ اِنِّیْ اُکَلِّمُہٗ فِیْ السِّرِّ دُوْنَ اَنْ اَفْتَحَ بَابًا لَا اَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ فَتَحَہٗ وَلَا اَقُوْلُ لِرَجُلٍ اَنْ کَانَ عَلَیَّ اَمِیْرًا اَنَّہٗ خَیْرُ النَاسِ بَعْدَ شَیْءٍ سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَمَا سَمِعْتَہٗ؟ یَقُوْلُ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یُجَآءُ بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُہٗ فِی النَّارِ فَیَدُوْرُ کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاہُ فَیَجْتَمِعُ اَھْلُ النَارُ عَلَیْہِ فَیَقُوْلُوْنَ اَیْ فُلَانُ مَا شَانُکَ اَلَیْسَ کُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَانَا عَنِ الْمُنْکَرِ قَالَ کُنْتُ اٰمُرُکُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْہِ وَاَنْھٰکُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاٰتِیْہِ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۵۴)

**ترجمہ:** حضرت ابووائل سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا، حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ فلاں (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جائیں اور ان سے بات کریں۔حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''تمہارا یہ خیال ہے کہ میں (حضرت) عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے گفتگو نہیں کرتا مگر اس وقت کہ تم لوگ سنو۔میں ان سے تنہائی میں گفتگو کرتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ مَیں فتنہ کا دروازہ کھولوں۔مَیں فتنہ کرنے والا سب سے پہلا شخص نہیں بن سکتا اور مَیں اس شخص کے متعلق جو میرا حاکم ہے، یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ سب لوگوں سے بہتر ہے۔مَیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک بات سن چکا ہوں''۔لوگوں نے کہا، ''آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا فرماتے سنا ہے؟'' حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے، 'قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا اور اسکو دوزخ

میں ڈالا جائے گا۔ دوزخ میں اسکی ساری انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ (انکے اِردگرد) ایسے چکّر کاٹے گا جیسے گدھا چکّی کے گرد گھومتا ہے۔ اس پر دوزخی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے، 'اے فلاں! تیرا یہ حال کیوں ہے؟ کیا تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے منع نہیں کرتا تھا؟' وہ کہے گا، 'میں تم کو امر بالمعروف تو کرتا تھا اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور تم کو بُرے کاموں سے منع کرتا تھا لیکن خود وہی کام کرتا تھا''۔

**نوٹ: اس حدیث شریف کے آخری حصہ پر غور کرنا چاہیے کہ کسی کو نیکی کا حکم کرنا اور خود نہ کرنا نقصان دہ ہے اور کسی کو بُرائی سے روکنا اور خود بُرائی میں ملوّث ہونا بھی لازمی طور پر بُری بات ہے۔**

اگر انسان نیک کام کا حکم کرے اور خود کرے تو اسکو دو (۲) اَجر ملتے ہیں، ایک نیکی کا حکم (تبلیغ کا) کرنے کا اور دوسرا عمل کرنے کا۔

بنی اسرائیل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یوں فرمایا، ''اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○'' (البقرہ ۲، آیت ۴۴) ترجمہ ''تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو (کہ اس پر عمل کرنا ہے) حالانکہ تم کتابِ الٰہی پڑھتے ہو (جس میں یہ باتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں کہ عمل کے بغیر نجات ناممکن ہے)۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''۔

ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○''
(الصّف ۶۱، آیت ۲-۳) ترجمہ ''اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بُری بات ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہ کرو''۔

ہمارے زمانے میں ہماری بہت بڑی اکثریت ایسی ہے کہ دوسروں کو تو اچھی نصیحت کرتے ہیں لیکن خود اسکے برعکس رویہ رَکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اعمال کو اپنے قول کے مطابق کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہم بھی یہودیوں کی طرح بے عمل بن چکے ہیں، خاص طور پر

ہمارے سیاسی لیڈر تو بات ہی وہ کرتے ہیں جو کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔ لیڈروں کے اس رویّے سے پوری قوم کا مزاج یہی بن چکا ہے کہ ''دوسروں کو نصیحت، خود میاں فضیحت''۔ سیاسی پارٹیاں جو بھی منشور لاتی ہیں، الیکشن جیتتے ہی وہ اسکو ایسا پھینک دیتی ہیں جیسے کبھی اسکا وجود ہی نہیں تھا۔

غریبوں کا نام لینے والے سیاسی لوگ محلات میں رہتے ہیں۔ عوام کا خادم کہنے والے اپنے آقا کو جس میں عورتیں، بوڑھے، بچے، بیمار سب شامل ہوتے ہیں، اپنے خادم کو راستہ دینے کیلئے روک دیئے جاتے ہیں۔ روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگانے والے سب کا سب خود ہڑپ کر جاتے ہیں یہاں تک کہ عوام کا خون بھی چوس لیتے ہیں۔ انکو نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ بھی رہا ہے، سن بھی رہا ہے۔ رحیم بھی ہے لیکن جب پکڑنے پر آتا ہے تو اسکی پکڑ بھی بڑی سخت ہوتی ہے، ''اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ'' ○ (البروج ۸۵، آیت ۱۲) ترجمہ ''یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار کی دارو گیر بڑی سخت ہے''۔

بیشتر علماء کرام دِین کے علم کو صرف دُنیا کمانے کیلئے استعمال کرتے ہیں اور جن باتوں کی وہ تبلیغ کرتے ہیں، ان پر اُنکی نہ تو عمل کرنے کی نیّت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ حقیقتاً عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے دِین کو صرف اپنی روزی کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور وہ اس درجہ لالچی ہیں کہ دِین کے بدلے دُنیا کا مال کمانے میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں ایسے علماء کے بارے میں اشارہ دیا ہے، ''وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُکْهُ یَلْهَثْ ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۱۷۵-۱۷۶) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انکو اس شخص کا حال سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم دیا لیکن وہ ان آیات پر عمل کرنے سے باہر نکل گیا پھر شیطان اسکے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسکو ان آیات کی بدولت بلند مرتبہ عطا کرتے لیکن وہ تو خاک کی طرف مائل ہو گیا (یعنی پستی کی

طرف) اور اپنے نفس کی پیروی کرنے لگا پھر اسکی حالت کتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اسکو مارے تب بھی وہ زبان لٹکائے یا نہ مارے تب بھی زبان لٹکائے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس حال کو بیان کر دیجئے، شاید وہ غور کریں"۔

اس قسم کے علماء کرام دُنیا کمانے کیلئے اتنے لالچی بن گئے جیسے کتا کہ اسکا کبھی پیٹ نہیں بھرتا اور انکی ساری زندگی اسی طرح بسر ہوئی کہ وہ پیٹ بھرنے کے چکر میں رہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ کو جو وہ لوگوں کو سناتے تھے، خود عمل نہیں کرتے تھے، اسلئے جہنم میں انکا انجام یہ ہوا کہ وہ انتڑیاں جو دُنیا کے لالچ سے بھرتی نہیں تھیں، اسکی نظروں کے سامنے ہوں گی اور وہ اسکے اِردگرد ایسے چکر لگائے گا جیسا دُنیا میں دِین کو استعمال کر کے انکو بھرنے کیلئے چکر لگاتا تھا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۷:** عَنْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی کُلِّ عُقْدَةٍ مَکَانَهَا عَلَیْکَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقُدُه کُلُّهَا فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّاصْبَحَ خَبِیْثَ النَفْسِ کَسْلَانَ۔
(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۵۶)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے ہر ایک کی گدی پر شیطان تین گانٹھیں لگا دیتا ہے جبکہ وہ سو رہا ہو۔ ہر گانٹھ پر پھونکتا ہے' ابھی رات بہت لمبی ہے، سوئے رہو۔ اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھنے لگے تو سب گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ صبح خوش طبع اور پاکیزہ نفس ہوتا ہے ورنہ خبیث النفس اور سست ہوتا ہے''۔

○.....○.....○

**حدیث ۸:** عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ ذُکِرَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ رَجُلٌ نَامَ لَیْلَةً حَتّٰی اَصْبَحَ قَالَ ذَاکَ رَجُلٌ بَالَ الشَّیْطَانُ فِیْ اُذُنَیْهِ اَوْ قَالَ فِیْ اُذُنِهٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۵۷)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرد کا ذکر کیا گیا جو رات کو صبح تک سویا رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اس شخص کے دونوں یا ایک کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے''۔

○.....○.....○

**حدیث۹:** عَنْ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْل اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَيٰطِيْنُ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث۳۰۶۲)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب رمضان المبارک آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے''۔

○.....○.....○

**حدیث۱۰:** عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَجْنَحَ اللَّيْلُ اَوْ قَالَ كَانَ جَنَحُ اللَّيْلُ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ تَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ الْعِشَآءِ فَخُلُّوْهُمْ وَاَغْلِقْ بَابَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَاَطْفِئْ مِصْبَاحَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَاَوْكِ سِقَآءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرْ اِنَآءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ تَعْرِضُ عَلَيْهِ شَيْئًا ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث۳۰۶۵)

**ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب رات کا اندھیرا ہونے لگے تو اپنے بچوں کو باہر جانے سے روکو کیونکہ اس وقت شیطان پھیل جاتے ہیں۔ جب عشاء کے بعد ایک گھڑی گزر جائے تو انکو (سونے کیلئے) چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دروازے بند کر دو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے چراغ بجھا دو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے مشکیزہ کو تسمہ لگا دو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے برتن ڈھانپ دو یا اس پر کوئی چیز رکھ دو''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۱:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ صَلّٰی صَلٰوةً فَقَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ عَرَضَ لِیْ فَشَدَّ عَلَیَّ یَقْطَعُ الصَّلٰوةَ عَلَیَّ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۶۹)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نماز پڑھی اور فرمایا، ''شیطان میرے سامنے آیا اور مجھ پر اس نے پوراز ور لگایا کہ میری نماز خراب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غالب فرمادیا''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۲:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاط'' فَاِذَا قُضِیَ اَقْبَلَ فَاِذَا ثُوِّبَ بِهَا اَدْبَرَ فَاِذَا قُضِیَ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطِرَ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَقَلْبِهٖ فَیَقُوْلُ اُذْکُرْ کَذَا وَکَذَا حَتّٰی لَایَدْرِیْ اَثَلٰثًا صَلّٰی اَمْ اَرْبَعًا فَاِذَا لَمْ یَدْرِ اَثَلٰثًا صَلّٰی اَمْ اَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتِی السَّهْوِ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۷۰)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب نماز کیلئے اذان کہی جائے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان پوری ہو جائے تو آ جاتا ہے۔ جب تکبیر کہی جائے تو بھاگ جاتا ہے اور جب اقامت پوری ہو جائے تو آ جاتا ہے اور نمازی کے دِل میں وسوسے اور خیالات ڈالنے لگتا ہے اور کہتا ہے، 'فلاں شئے یاد کر، فلاں شئے یاد کر' حتیٰ کہ نمازی نہیں جانتا کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور جب اسکو پتہ نہ چلے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو سہو کے دو سجدے کرلے''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۳:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتَّثَآؤُبُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرُدَّہُ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَالَ ھَا ضَحِکَ الشَّیْطَانُ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۷۴)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو جس قدر طاقت ہو، اسکو روکے کیونکہ جب تم میں سے کوئی (جمائی کے وقت) ہاہا کہے تو شیطان ہنستا ہے''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۴**: عَنْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا حَلَمَ اَحَدُکُمْ حُلْمًا یَخَافُہٗ فَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِہٖ وَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّھَا فَاِنَّھَا لَا تَضُرُّہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۷۷-۳۰۷۸)

**ترجمہ** : حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بُرا شیطان کی طرف سے۔ پس جب تم میں سے کوئی بُرا خواب دیکھے جس سے وہ ڈرتا ہو تو وہ اپنی بائیں طرف تھوکے اور اسکے شَر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے کیونکہ اس طرح وہ اسکو اذیت نہیں پہنچائے گا''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۵**: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فِیْ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ کَانَتْ لَہٗ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَکُتِبَتْ لَہٗ مِائَۃُ

حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِّنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَاتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۷۹)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو کوئی ایک دِن میں سو (۱۰۰) بار لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَـيْءٍ قَدِيْرٌ ' کہے، اسکو دَس (۱۰) غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اسکے لئے سو (۱۰۰) نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو (۱۰۰) بُرائیاں مٹادی جاتی ہیں اور وہ شام تک سارا دِن شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ اس عمل سے کسی کا عمل افضل نہیں ہوتا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ عمل کرے''۔

○.....○.....○

**حدیث ۱۶**: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيْكَةِ فَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّهَا رَاَتْ مَلَكًا وَاِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰـهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِنَّهَا رَاَتْ شَيْطَانًا۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۰۸۷)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اسکے فضل (رزق) کی دُعا کرو کیونکہ اس نے فرشتہ کو دیکھا ہے اور اگر گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے''۔

**نوٹ** (حدیث ۷-۱۶): انسان نیکی اور بدی ایک نظام کے تحت کرتا ہے۔ یہ نظام اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا ہے۔ ان احادیث میں شیطان سے حفاظت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس سے کیسے بچا جائے؟ جب انسان نیکی کا اِرادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

اور اسکے فرشتے اسکے مددگار بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۶۹) ترجمہ ''جولوگ ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم انکو (صحیح) راستے ضرور دکھادیتے ہیں (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے''۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے، ''وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○'' (الروم ۳۰، آیت ۴۷) ترجمہ ''مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمّہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مزید فرمایا، ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ'' ○ (الزخرف ۴۳، آیت ۳۶) ترجمہ ''جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط فرمادیتا ہے جو اسکا ساتھی بن جاتا ہے'' یعنی شیطان سے بچاؤ کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذِکر ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذِکر کی کئی صورتیں ہیں: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، تلاوتِ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درُود شریف بھیجنا، اللہ تعالیٰ سے دِین ودُنیا کی نعمتیں مانگنا، اپنی مغفرت طلب کرنا، بندگانِ خدا کیلئے بھلائی وخیر خواہی کی دُعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کا وِرد کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذِکر کی صورتیں ہیں۔ عبادات کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہترین ذِکر اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کا خرچ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق بندگانِ خدا کی خدمت کرنا بھی ذِکر میں شامل ہے۔ لوگوں کو اپنے شَر سے بچانا بھی اللہ تعالیٰ کے ذِکر کی ایک قسم ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذِکر کی عملی صورتیں ہیں۔

اسکے برعکس اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے غافل ہیں تو پھر ہماری زبان، کان، آنکھ، ہاتھ اور دِل سب شیطان کے تسلّط میں آجاتے ہیں اور ہم لاشعوری طور پر یا ارادۃً شیطانی عمل میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ذِکر کی عادت ڈال لیں، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درُود شریف بھیجتے رہیں تو ہم شیطان کے اَثر سے

محفوظ رہ سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:''اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○''(آلِ عمران۳، آیت۱۹۱) ترجمہ''(مؤمنین کے بارے میں جو غور وفکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب کچھ) بے مقصد نہیں پیدا فرمایا ہے۔تو پاک ہے (یعنی ہر کمزوری سے جو انسان سوچ سکتا ہے) سو بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے''۔

چونکہ شیطان انسان کو نظر نہیں آتا لیکن اسکے ساتھ ہر وقت موجود ہوتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے، اسلئے شیطان کے حملوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے ذِکر کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذِکر کے متعلق مزید معلومات کیلئے آپکو چاہیے کہ مندرجہ ذیل دو (۲) کتابوں کا مطالعہ کریں،

۱) اَذکارِ مسنونہ از حافظ ابن قیم مترجم خلیل احمد حامدی
اسلامک پبلیکیشنز، لوئر مال، لاہور

۲) حصنِ حصین از امام محمد بن محمد الجزری، تاج کمپنی لمیٹڈ

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۱۷:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ کَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَکْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۱۱۶)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور بہت زیادہ ٹیڑھی پسلی اوپر والی ہے۔ اگر تُو اسکو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسکو توڑ ڈالے گا اور اگر اسے چھوڑے رکھے گا تو ٹیڑھی رہے گی۔ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ میں پیغام یہ ہے کہ عورت کی بات آپکو خواہ کتنی ہی غیر معقول لگے پھر بھی اسکے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

یہاں عورت کا مطلب صرف بیوی ہی نہیں ہے بلکہ تمام محرم اور غیر محرم عورتیں شامل ہیں۔ مرد کے صبر اور حکمت کی آزمائش اللہ تعالیٰ عورت کے ذریعے ہر وقت فرماتا رہتا ہے۔ عورت کی صلاحیتیں مرد کی صلاحیتوں سے بہت کم ہیں اور مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت کا سربراہ بنایا ہے۔ ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' (النساء ۴، آیت ۳۴) ترجمہ ''مرد عورتوں کے سربراہ (Guardian) (یعنی نگہبان) ہیں''۔

ایک اعلیٰ نگہبان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اپنے ماتحت افراد کو اپنے غصّہ اور انتقام کا نشانہ بنائے بلکہ اسکو اپنی اعلیٰ پوزیشن کے لحاظ سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور مستورات کو حتی الامکان معاف ہی نہیں بلکہ ان سے بہتر سلوک کا مظاہرہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل (اہل خانہ) کے ساتھ بہترین اخلاق رکھتا ہے۔ میں تم سب سے بہتر ہوں کیونکہ میں اپنے اہل (اہل خانہ) کے ساتھ تم سب سے زیادہ حسنِ سلوک کرتا ہوں'' (مشکوٰۃ)

**مشورہ:**

اگر آپکو واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح محبت ہے تو انکی پیروی کیجئے اور مستورات کے ساتھ نرم معاملہ رکھیں۔ انکی غلطیوں سے درگزر کریں، اچھی نصیحت کرتے رہیں، مار پیٹ سے بالکل پرہیز کریں، کمزور انسان یعنی مستورات پر ہاتھ اُٹھانا تو مرد کیلئے ویسے ہی ایک ذِلّت آمیز اور بزدلانہ فعل ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۱۸:** عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ مِمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ یَمْشُوْنَ اِذَا اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَاَوَوْا اِلٰی غَارٍ فَانْطَبَقَ عَلَیْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِنَّهٗ وَاللّٰهِ یَاهٰٓؤُلَآءِ لَایُنَجِّیْکُمْ اِلَّا الصِّدْقُ فَلْیَدْعُ کُلُّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ بِمَا یَعْلَمُ اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَ فِیْهِ فَقَالَ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ کَانَ لِیْ اَجِیْرٌ عَمِلَ لِیْ عَلٰی فَرَقٍ مِنْ اُرَزٍّ فَذَهَبَ وَتَرَکَهٗ وَاِنِّیْ کُنْتُ عَمَدْتُ اِلٰی ذٰلِکَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهٗ فَصَارَ مِنْ اَمْرِهٖ اِنِّیْ اشْتَرَیْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَّاَنَّهٗ اَتَانِیْ یَطْلُبُ اَجْرَهٗ فَقُلْتُ لَهٗ اِعْمَدْ اِلٰی تِلْکَ الْبَقَرِ فَسُقْهَا فَقَالَ لِیْ اِنَّمَا لِیْ عِنْدَکَ فَرَقٌ مِنْ اُرَزٍّ فَقُلْتُ لَهٗ اِعْمَدْ اِلٰی تِلْکَ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا مِنْ ذٰلِکَ الْفَرَقِ فَسَاقَهَا فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ مِنْ خَشْیَتِکَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ فَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ کَانَ لِیْ اَبَوَانِ شَیْخَانِ کَبِیْرَانِ وَکُنْتُ اٰتِیْهِمَا کُلَّ لَیْلَةٍ بِلَبَنِ غَنَمٍ لِّیْ فَاَبْطَأْتُ عَنْهُمَا لَیْلَةً فَجِئْتُ وَقَدْ رَقَدَ وَاَهْلِیْ وَعِیَالِیْ یَتَضَاغَوْنَ مِنَ الْجُوْعِ وَکُنْتُ لَااَسْقِیْهِمْ حَتّٰی یَشْرَبَ اَبَوَایَ فَکَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَکَرِهْتُ اَنْ اَدَعَهُمَا فَیَسْتَکِنَّا لِشَرْبَتِهِمَا فَلَمْ اَزَلْ اَنْتَظِرُ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ مِنْ خَشْیَتِکَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ حَتّٰی نَظَرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ کَانَتْ لِیْ بِنْتُ عَمٍّ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ وَاِنِّیْ رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَاَبَتْ اِلَّا اَنْ اٰتِیَهَا بِمِائَةِ دِیْنَارٍ فَطَلَبْتُهَا حَتّٰی قَدَرْتُ فَاَتَیْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا اِلَیْهَا

فَامْكَنَتْنِیْ مِنْ نَفْسِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَیْنَ رِجْلَیْهَا قَالَتْ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهٖ فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ الدِّیْنَارِ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْیَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوا۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۴۱)

**ترجمہ**: حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک دفعہ تم سے پہلی اُمت کے تین شخص چل رہے تھے کہ اچانک ان پر بارش آ گئی۔ وہ ایک غار میں داخل ہو گئے تو ان پر غار کا منہ بند ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، 'خدا کی قسم اے ساتھیو! تمہیں سچائی کے سوا کوئی شئے نجات نہیں دلا سکتی۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اس شئے کے وسیلہ سے دعاء کرے جسے وہ جانتا ہو اور وہ اسکے بیان کرنے میں سچا ہو'۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا، 'اے اللہ رَب العزت! تو جانتا ہے کہ میرا ایک مزدور تھا جس نے ایک فرق چاول کے عوض میرا کام کیا۔ وہ چلا گیا اور اُجرت چھوڑ گیا۔ میں نے اس فرق کو لے کر زراعت کی تو میں نے اس سے ایک گائے خریدی۔ وہ میرے پاس آیا اور اپنی مزدوری طلب کی تو میں نے کہا، 'وہ گائے ہانک کر لے جاؤ'۔ اس نے کہا، 'تمہارے پاس میری اُجرت صرف ایک فرق چاول ہیں'۔ میں نے اسے کہا، 'وہ گائے ہانک لے جاؤ، وہ اسی فرق سے خریدی ہے'۔ وہ گائے ہانک کر لے گیا۔ 'اے باری تعالیٰ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیرے ڈَر سے کیا تھا تو ہم سے یہ پتھر ہٹا دے' چنانچہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے کہا، 'اے اللہ تعالیٰ! تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے۔ میں ہر رات ان کیلئے بکریوں کا دودھ لے جاتا تھا۔ ایک رات دیر ہو گئی۔ میں آیا تو وہ سو رہے تھے اور میری بیوی اور بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے۔ میں انکو دودھ نہ پلایا کرتا تھا حتیٰ کہ میرے ماں باپ دودھ پی لیں لیکن انکو بیدار کرنا اچھا نہ سمجھا اور یہ بھی اچھا نہ سمجھا کہ انہیں چھوڑ دوں کہ وہ اسکے نہ

پینے کی وجہ سے کمزور ہو جائیں، اسلئے میں انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ فجر طلوع ہوگئی۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تیرے ڈَر سے کیا ہے تو ہم سے پتھر ہٹا دے'۔ چنانچہ ان سے پتھر مزید کچھ ہٹ گیا اور انہوں نے آسمان دیکھ لیا۔ پھر تیسرے شخص نے کہا، 'اے اللہ تعالیٰ! تو جانتا ہے کہ میرے چچا کی بیٹی مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے اسکا دل لبھایا، اس نے انکار کر دیا مگر یہ کہ میں اسے سو دینار دوں۔ میں نے دینار تلاش کیے اور وہ مجھے مل گئے۔ میں وہ لے کر اسکے پاس آیا اور اسکے حوالہ کئے تو اس نے مجھے اپنے نفس پر قادر کر دیا۔ جب میں اسکے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا، 'اللہ تعالیٰ سے ڈَر اور مہر کو ناحق نہ توڑ' تو میں اُٹھ کھڑا ہوا اور سو دینار بھی چھوڑ دیئے۔ اے اللہ تعالیٰ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تیرے خوف سے کیا تھا تو ہم سے یہ پتھر بالکل ہٹا دے' تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پورا پتھر ہٹا دیا اور وہ باہر نکل آئے''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ نیک عمل کا اَجر اللہ تعالیٰ دُنیا میں بھی عطا فرماتا ہے لیکن بسا اوقات ہم اسکا شعور نہیں رَکھتے۔ آخرت کا اَجر تو اللہ تعالیٰ آخرت کے دِن تک محفوظ رکھتا ہے۔

پہلا معاملہ مزدور سے ہے جس میں مالک اللہ تعالیٰ کی خاطر **عدل** سے کام لے رہا ہے اور اسکی اُجرت کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اسکی اُجرت کو انویسٹ (Invest) کرنے کے بعد اسکی دیکھ بھال خود کرتا ہے اور وہ خود اپنی اُجرت بھی نہیں لیتا۔ کیسا بہترین عمل ہے جو اس نے مزدور کیلئے کیا تھا۔

دوسرا شخص اپنے والدین کی خدمت میں اس درجہ محتاط ہے کہ وہ ساری رات اسلئے کھڑا رہا کہ انکی نیند خراب نہ ہو جائے اور اسکو انکے بھوکے رہنے کا بھی ڈَر تھا کہ اگر وہ وہاں سے ہٹے تو وہ جاگ جائیں اور دودھ پینے سے محروم رہ جائیں۔ کتنا فکر ہے اسکو اپنے والدین کا کہ اپنی نیند کو قربان کر رہا ہے جو انسان کیلئے ایک محبوب ترین چیز ہے۔

تیسرا شخص عورت سے اسلئے دُور ہوا کہ اسکو اللہ تعالیٰ کا خوف لاحق ہوگیا۔ **اللہ تعالیٰ کا خوف کیسی بہترین چیز ہے جس سے انسان دُنیا میں مصیبتوں سے اور آخرت میں جہنم سے نجات پا جاتا ہے۔** قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۱۱۹) ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور سچے لوگوں میں شامل رہا کرو''۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں فرمایا، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ○'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۰) ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور سچی بات کیا کرو''۔

تفہیم البخاری کی حدیث مبارکہ نمبر ۳۲۵۴، جلد پنجم میں روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسکی لاش کو جلا کر راکھ ہوا میں بکھیر دینا۔ اسکے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی راکھ کو جمع فرما کر اپنے حضور پیش فرمایا اور اس انسان سے پوچھا کہ ''تو نے اپنے بیٹوں کو ایسا حکم کیوں دیا؟'' اس نے کہا، ''اے اللہ تعالیٰ! تیرے خوف سے''۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو بخش دیا۔

**اللہ تعالیٰ کا خوف بڑی چیز ہے**۔ صرف خوف کی وجہ سے ہی یہ شخص جس نے دُنیا میں کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا، بخشا گیا۔

**سچا قول اور اچھا عمل** ہر نیکی کی بنیاد ہے۔ **یہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہی پیدا ہوتے ہیں** اور **جھوٹا قول اور بُرا عمل** ہر بُرائی کی جڑ ہے اور **یہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہ رَکھنے سے پیدا ہوتے ہیں**۔

ذرا ہم اپنی حالت پر نگاہ ڈالیں کہ **سچائی** سے ہم کوسوں دُور ہیں۔ **نہ امانت ادا کرنے کی فکر، نہ والدین کی خدمت کا شوق** رَہا اور **نہ اللہ تعالیٰ کا خوف** رہا۔ اسکے نتائج یہ کہ ہم نیک اعمال سے دُور ہیں اور بُرے اعمال کو ہم نے اپنا ساتھی بنایا ہوا ہے۔ کون انکار کرسکتا ہے کہ ہم پر مصیبتوں پر مصیبتیں آتی جارہی ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ کا اپنے دِل میں خوف پیدا نہیں کرتے۔ ان مصیبتوں کا واحد حل یہ ہے کہ ہم **باطل** (جھوٹ) کا راستہ چھوڑ کر اپنے ہر **قول اور فعل** میں **سچائی** کے راستے پر آجائیں یعنی (۱) **امانت** کو احسن طریقہ سے اَدا کریں، (۲) **والدین کی خدمت** کریں اور (۳) **اللہ تعالیٰ کا خوف دِل میں پیدا کریں**۔

**وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۱۹:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ رَکِبَهَا فَضَرَبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّما خُلِقْنَا لِلْحَرْثِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَکَلَّمُ قَالَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٰذَا اَنَا وَاَبُوْ بَکْرٍ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) وَعُمَرُ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) وَمَاهُمَا ثُمَّ وَبَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمِهٖ اِذَا عَدَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ مِنْهَا بِشَاةٍ فَطَلَبَ حَتّٰی کَاَنَّهٗ اسْتَنْقَذَهَا مِنْهُ فَقَالَ لَهٗ الذِّئْبُ هٰذَا اسْتَنْقَذَهَا مِنِّیْ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَارَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ قَالَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٰذَا اَنَا وَاَبُوْ بَکْرٍ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) وَعُمَرُ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) وَمَاهُمَا ثَمَّ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۴۷)

**ترجمہ :** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص بیل کو ہانک کر لے جا رہا تھا۔ اچانک وہ اس پر سوار ہو گیا اور اسکو مارا تو اس نے کہا، ''میں اسلئے پیدا نہیں ہوا ہوں یعنی سواری کیلئے نہیں پیدا ہوا۔ ہم تو صرف کھیتی باڑی کرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں''۔ لوگوں نے کہا، ''سبحان اللہ! بیل باتیں کرتا ہے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں اور (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس پر یقین رکھتے ہیں'' حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ اچانک بھیڑیئے نے حملہ کیا اور ان میں سے ایک بکری اُٹھا کر لے

بھا گا۔ چرواہے نے اسکا پیچھا کیا اور اس سے بکری چھڑالی۔ پھر بھیڑیئے نے اس سے کہا، ''یہ بکری تم نے آج تو مجھ سے چھڑالی ہے لیکن سبُع کے روز انکا محافظ کون ہوگا؟ جس دن میرے سوا انکا چرواہا کوئی اَور نہ ہوگا''۔ لوگوں نے کہا، ''سبحان اللہ! بھیڑیا باتیں کرتا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میں اور (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس پر یقین رَکھتے ہیں'' حالانکہ وہ دونوں اس محفل میں موجود نہ تھے۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ کے دو جزو ہیں، پہلے جزو سے **اصول یہ نکلتا ہے** کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے پیدا فرمائی ہے، اس سے وہی کام لیا جائے تو ہم قانونِ فطرت کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اسکے برعکس عمل کریں گے تو ہم باطل پر عمل پیرا ہیں جسکے نتائج بُرے نکلتے ہیں۔ ہر عمل پر ہماری اس طرح نظر ہونی چاہیے کہ آیا ہم حق پر ہیں یا باطل پر، اس میں غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیل کو تو کھیتی باڑی کیلئے پیدا فرمایا ہے لیکن زمیندار نے اس پر مزید سواری کرنا شروع کر دی تو بیل نے اسکو مطلع کیا کہ تم مجھ سے وہ کام لے رہے ہو جسکے لیے میں پیدا نہیں کیا گیا ہوں یعنی تم باطل پر عمل پیرا ہو جبکہ کائنات میں **نظام عدل کا چل** رہا ہے۔ مجھ پر سواری کرنا **عدل نہیں ہے**۔

یہ اصول ایک دوسری مثال سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔ دو بھائی ایک موچی کے پاس جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ مجھے اچھے چمڑے کی ایک جوتی بنا دو۔ دوسرا ایک مشکیزے کی درخواست کرتا ہے۔ موچی چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا نکال کر انکو دِکھاتا ہے کہ اس میں سے ایک جوتی بن جائے گی اور باقی کا مشکیزہ بنا دیا جائے گا۔ پھر دونوں بھائی ایک ہی چمڑے سے بنی ہوئی نئی چوتی اور نیا مشکیزہ گھر لے آتے ہیں۔ ابھی تک وہ چیزیں بالکل نئی ہیں، نہ جوتی میں پاؤں ڈالا گیا اور نہ ہی مشکیزے میں پانی۔ اگر کوئی اس وقت کہے کہ جوتا تو ابھی نیا ہے لہٰذا اس میں پانی پی لینے میں کوئی حرج نہیں تو کوئی انسان بھی اسکو پسند نہیں کرے گا کیونکہ جوتا پانی پینے کیلئے نہیں بلکہ پاؤں میں پہننے کیلئے بنایا گیا ہے۔ خواہ اس نئے جوتے میں آپ ساری عمر پاؤں نہ ڈالیں اور اسکو نیا ہی رہنے دیں تب

بھی اس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے کیونکہ یہ پانی پینے کا برتن نہیں ہے۔

اگر ہم اس **اصولِ عدل** کو جگہ جگہ بدلنے کی کوشش کریں تو پوری کائنات کا نظام اُلٹ ہو جائے گا اور اسکی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔

یہی حال سورج اور چاند کا ہے کہ اگر سورج چاند کی جگہ لے لے اور چاند سورج کی جگہ تو اس زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ اس حدیث شریف میں ہمارے لیے یہی سبق تھا کہ **نظامِ زندگی کو عدل کے اصول پر چلایا جائے** جسکی بنیاد توحید اور رسالت ہے کیونکہ عدل کے اصول وضوابط اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے اور اسکی عملی صورت نبی علیہ السلام اپنے عمل سے واضح فرما کر دِکھاتا ہے۔

حدیث مبارکہ کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ چرواہا بھیڑیئے پر غالب آ گیا کیونکہ اس وقت اس ملک کا حکمران عادل ہوگا۔ **عدل ایک بہت بڑی طاقت** ہے۔ تاریخ انسانی میں جب بھی عدل قائم ہوا تو اس عدل کا اثر حیوانات پر بھی پڑا، اسلئے بھیڑیا ظلم کرنے کی ہمت نہ کر سکا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سبق دے گیا کہ **جب تمہارا حکمران ایسا ظالم ہوگا جیسے بھیڑیا** تو اس وقت تمہاری بھیڑوں کی کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب حکمران بھیڑیے جیسی صفات رَکھتا ہو تو اپنے عوام کے ساتھ وہی سلوک رکھے گا جو بھیڑیا بھیڑ کے ساتھ رَکھتا ہے۔ تب سارے ملک میں ایک ظالمانہ نظام مسلّط ہو جاتا ہے۔ **اس وقت ہمارے ملک کا حال بالکل ایسا ہی ہے۔**

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۲۰:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اشْتَرٰی رَجُلٌ'' مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهٗ فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِیْ اشْتَرَی الْعَقَارَ فِیْ عَقَارِهٖ جَرَّةً فِیْهَا ذَهَبٌ'' فَقَالَ لَهٗ الَّذِیْ اشْتَرَی الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَکَ مِنِّیْ اِنَّمَا اشْتَرَیْتُ مِنْکَ الْاَرْضَ وَلَمْ اَبْتَعِ الذَّهَبَ وَقَالَ الَّذِیْ لَهٗ الْاَرْضُ اِنَّمَا بِعْتُکَ الْاَرْضَ وَمَا فِیْهَا فَتَحَاکَمَا اِلٰی رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِیْ تَحَاکَمَا اِلَیْهِ اَلَکُمَا وَلَدٌ'' قَالَ اَحَدُهُمَا لِیْ غُلَامٌ'' وَّقَالَ الْاٰخَرُ لِیْ جَارِیَةٌ'' قَالَ اَنْکِحُوْا الْغُلَامُ الْجَارِیَةَ وَاَنْفِقُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۴۸)

**ترجمہ :** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک شخص نے دوسرے شخص سے اسکی زمین خریدی تو جس شخص نے زمین خریدی، اس نے اس زمین میں ایک مٹکا پایا جس میں سونا تھا تو زمین کے خریدار نے کہا، 'مجھ سے اپنا سونا لے لو۔ میں نے تم سے زمین خریدی ہے سونا نہیں خریدا'۔ زمین کے مالک نے کہا، 'میں نے زمین اور جو کچھ اس میں تھا، بیچ دیا تھا'۔ چنانچہ وہ دونوں ایک شخص کے پاس گئے تو جسکے پاس وہ گئے، اس نے کہا، 'کیا تمہاری اولاد ہے؟' ان میں سے ایک نے کہا، 'میرا لڑکا ہے' اور دوسرے نے کہا، 'میری لڑکی ہے'۔ اس نے کہا، 'لڑکے کا لڑکی کے ساتھ نکاح کر دو اور اس سونے میں سے ان پر خرچ کرو''۔

---

**نوٹ:** یہ ایک بہت ہی حکیمانہ فیصلہ ہے جسکی توفیق اللہ تعالیٰ نے ثالث کو دی۔ کاش ہماری عدالتوں میں بھی ایسے حکیم جج ہوں۔

وہ دونوں شخص (بیچنے اور خریدنے والے) کیسے بہترین ایماندار تھے کہ انکے رویّے میں دُنیا سے بے رغبتی اور اللہ تعالیٰ کا خوف غالب تھا۔ کاش کہ ہم بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی ایمانداری سیکھ جائیں۔ آج کل ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ لالچ

ہمارے دِلوں میں ایسا بَس چکا ہے کہ کرپشن ہمارے معاشرے میں دیمک کی طرح پھیل چکی ہے۔ **لالچ ایک شیطانی صفت ہے اور کرپشن ایک شیطانی عمل ہے**۔ ہر جگہ شیطان ہمارا ساتھی بنا ہوا ہے۔

جنگِ اُحد میں مالِ غنیمت کے لالچ میں ایک دستے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنی جگہ چھوڑ دی اور جیتی ہوئی جنگ ہار دی جبکہ اللہ تعالیٰ کا نبی موجود ہے اور اُمّت کے اعلیٰ ترین متقی انسان یعنی جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی موجود ہیں۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سخت اذیّتیں اُٹھائیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو چند ایک نیک ہستیوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ عذاب ٹلتا نہیں۔

## حلال کمائی کی بہت برکات ہیں۔

عابد نظامی (روزنامہ ''نوائے وقت'' میں) لکھتے ہیں، ''محمد حسین بہیمی ایک لڑکا تھا اور وہ ایک زمیندار کے ہاں ملازم تھا۔ ایک دِن ہل چلاتے ہوئے ایک دفینہ ظاہر ہو گیا جو سونے چاندی کا تھا۔ اس نے یہ پورا دفینہ اپنے مالک کو دے دیا۔ اسکا مالک اسکی ایمانداری پر بڑا خوش ہوا۔

محمد حسین بہیمی ایک دفعہ دہلی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کیلئے گیا۔ وہاں دربان نے اسکو بچہ سمجھ کر اندر جانے سے روک دیا۔ اس نے دیکھا کہ بہت بڑے بڑے لوگ آ جا رہے ہیں جن میں کچھ ریاستوں کے سربراہ بھی تھے۔ جب مجمع سارا ختم ہو گیا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دربان سے پوچھا کہ باہر کوئی ہے؟ تو کہنے لگا کہ ایک لڑکا کھڑا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسکو اندر بھیج دو۔ ساتھ ہی کہنے لگے کہ ایک بادشاہ گیا، ایک بادشاہ آ رہا ہے۔ محمد حسین بہیمی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے حال احوال پوچھنے کے بعد پوچھا کہ تم بھوکے تو نہیں ہو؟ محمد حسین بہیمی کہنے لگا کہ ہاں مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے، میں تو صبح سے یہاں کھڑا ہوں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے باورچی کو کہا کہ جو کھانا تم نے میرے لیے بچا کر

رَکھا ہوا ہے، وہ اس لڑکے کو دے دو اور پھر ملاقات کے بعد محمد حسین بہمی واپس اپنے گھر آ جاتا ہے۔

پھر ایک زمانہ آتا ہے کہ محمد حسین بہمی عابد نظامی کی روایت کے مطابق دَکن کا امیر بن جاتا ہے اور بہمی خاندان کی اَمارت دَکن میں نو پشتوں تک رہتی ہے۔ یہ صلہ تو اسکو اس ایمانداری کا اس دُنیا میں ملا اور آخرت میں انشاءاللہ العزیز بھرپور اَجر پائے گا۔

## حرام کمائی سے بہت مصیبتیں آتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ''ایک وقت آئے گا کہ تمہاری دُعائیں قبول نہیں ہوں گی کیونکہ تمہارا کھانا بھی حرام، پہننا بھی حرام اور پینا بھی حرام ہوگا'' (مشکوٰۃ، کتاب تجارت کا بیان)

۱۹۶۷ء کی بات ہے۔ میں کنٹونمنٹ جنرل ہسپتال راولپنڈی میں میڈیکل آفیسر تھا۔ ہسپتال کے ایک ملازم اکثر میرے پاس بیٹھ کر اپنی ذاتی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ایک دِن مجھے کہنے لگے کہ جب سے میں نے ملازمت شروع کی ہے تو اس وقت سے اس ہسپتال سے میری کئی سائیکلیں چوری ہوگئیں۔ میرے والد نے مجھے ایک دِن بلایا اور کہنے لگے کہ تمہاری سائیکلیں اسلئے چوری ہو جاتی ہیں کہ تمہاری روزی حلال کی نہیں ہے، اپنے رزق کو حلال بناؤ۔ میں نے بھی دِل میں تہیّہ کر لیا کہ میں اپنی طرف سے کسی ناجائز کمائی میں حصّہ نہیں لوں گا۔ اسکے بعد سے آج تک کئی سال گزر گئے ہیں کہ میری سائیکل چوری نہیں ہوئی

میرا مشاہدہ ہے کہ حرام کمائی کی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ ایسے گھروں میں بیماریاں، لڑائی جھگڑے اور جھوٹے مقدمے وغیرہ وغیرہ ہر وقت رہتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس درجہ حلال نوالے کا خیال رَکھتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ایک دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لے آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت لے کر پی لیا لیکن فوراً ہی دماغ میں آیا کہ یہ لایا کہاں سے ہے؟ انہوں نے پوچھا تو غلام نے بتایا کہ ہمسائے کی بکری باہر چر رَہی تھی، یہ دودھ میں نے اس سے دھویا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حلق میں اُنگلی ڈال کر اُلٹی کر دی اور سارا دودھ نکال باہر کیا۔

## ہمارے اداروں اور تجارت میں رشوت اور حرام منافع اتنا عام

ہے کہ شاید ہی کوئی بچا ہو، اس لئے معاشرے میں بے انتہا بے چینی، چوری ڈکیتی، جھوٹی شہادتیں، جھوٹے مقدمے اور مالی کرپشن زوروں پر ہے۔ اسکے علاوہ اَور چھوٹی بڑی بیماریاں اور قدرتی آفات وبلیّات اتنے زیادہ ہیں کہ ہمیں کبھی احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

**مشورہ:**

اگر ہم اپنا رزق حلال طریقے سے کمائیں اور اس میں سے غریبوں کا حق یعنی صدقہ وزکوٰۃ ادا کرتے رہیں تو اس جہاں میں بھی سکون سے رہیں گے اور آخرت میں بھی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۲۱:** عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ قُرَیْشًا اَھَمَّھُمْ شَانُ الْمَرأَۃِ الْمَخْزُوْمِیَّۃِ الَّتِیْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ یُکَلِّمُ فِیْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ یَجْتَرِئُ عَلَیْہِ اِلَّا اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَکَلَّمَہٗ اُسَامَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّما اَھْلَکَ الَّذِیْنَ قَبْلَکُمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِیْھِمِ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ وَاِذَا سَرَقَ فِیْھِمِ الضَّعِیْفُ اَقَامُوْا عَلَیْہِ الْحَدَّ وَاَیْمُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا) بِنْتَ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۵۱)

**ترجمہ:** اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو، ایک عورت مخزومیہ نے جس نے چوری کی تھی، غم میں ڈالا۔ اُنہوں نے کہا، ''اسکے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کون کلام کرے؟'' پس کہنے لگے، ''(حضرت) اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں''۔ چنانچہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو فرمائی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں کسی کی شفاعت کرتے ہو؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا، ''تم سے پہلے لوگوں کو اسی شئے نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی ممتاز چوری (کرپشن) کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری (کرپشن) کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر

(حضرت) فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی چوری کرے گی تو اسکا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ کا سبق واضح ہے کہ اگر معاشرے میں مجرم سفارش، رشوت یا جھوٹ سے اپنی سزا سے بچ جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کی انتظامیہ عدل قائم نہیں کر سکتی بلکہ ظلم کو فروغ دیتی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے کہ عدل کے بغیر کوئی قوم ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ **ظلم** سے بالآخر ملکی آزادی بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اس حدیث شریف پر ذرا دوبارہ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک **عدل کا معیار کتنا بلند** ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بے جھجک یہ فرما رہے ہیں کہ اگر میری بیٹی بھی ایسا جرم کرے گی تو میں اسکے بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

عدل اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک **قانونِ الٰہی کی بالادستی** قائم نہ کی جائے، **یہ حکومت کی ذمّہ داری ہے**۔ حکومت کی باگ ڈور حکومت کے سربراہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ حکومت کا سربراہ جیسی شخصیت کا مالک ہوگا، ویسا ہی عدل کا معیار ہوگا۔ اگر سربراہ قانون کو پسِ پشت ڈال کر اپنی من مانی کرتا ہے تو حکومتی مشینری میں نیچے تک کوئی بھی اہلکار قانون کی پرواہ نہیں کرے گا بلکہ اپنی مرضی چلائے گا۔ اس طریقہ سے ملک میں قانون کا راج ہونے کے بجائے لاقانونیت کا راج ہو جاتا ہے اور پھر عدل کے قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل ہمیں ایسی ہی **لاقانونیت کا سامنا** ہے۔

**ہمیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو قانونِ الٰہی کی بالادستی کو یقینی بنائے**۔ ایسا شخص وہ ہوگا جو سب سے پہلے قانون کو خود اپنے اوپر لاگو کرتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''آج سے سود کا کاروبار بند کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سود کو بند کرتا ہوں''۔

پاکستان بننے کے بعد ابھی تک جو بھی حکمران آیا ہے، اسکے اور اسکے خاندان کیلئے

قانون اَور ہوتا ہے اور غریب آدمی کیلئے قانون اَور۔ بنی اسرائیل کی تباہی کی بھی یہی وجہ تھی کہ اس قوم میں جب عدل ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انکو ذِلّت کی پستیوں میں گرادیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے۔

ہماری حکومت کو چاہیے کہ عدل قائم کرنے کیلئے سیاسی اور انتظامی تبدیلیاں لاکر ہمارے نظامِ عدل کو سیدھے راستے پر لایا جائے۔

نظامِ عدل کا ستون جنرل انتظامیہ ہے۔ یہ انتظامیہ کی ڈیوٹی ہے کہ عدل کا شعور اور اسکو رواج دینے کیلئے اپنے دفاتر میں ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں عدل سے کام لے اور عدالت سے عادلانہ فیصلہ لینے کے لیے پبلک، پولیس اور عدلیہ کی صحیح خطوط پر تربیت کرے۔ یادرَہے کہ جنرل انتظامیہ کی باگ ڈور سربراہِ مملکت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جب تک وہاں سے عدل کا شعور شروع نہیں ہوگا، نیچے بھی عدل کا شعور پیدا نہیں ہوگا۔

**اگر پبلک، پولیس اور عدلیہ کی صحیح خطوط پر تربیت ہوجائے جسکی بنیاد سچ اور صرف سچ اور سچ کے سوا اَور کسی دوسری چیز پر نہیں ہے تو عدل پھر ہی قائم ہوسکتا ہے۔** اسکے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور ان تینوں اداروں کی تربیت کا ذِمّہ دار سربراہِ حکومت ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۲۲:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَجُل'' یُدَایِنُ النَّاسَ فَکَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاہُ' اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ' لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۵۷)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ جب تو تنگ دست کے پاس جائے تو اس سے درگزر کیا کر، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرما دیا''، یعنی اسکو بخش دیا۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ سے ایک آفاقی صداقت (Universal Truth) سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ انسان دوسرے انسان سے (یا دوسری مخلوق سے) جیسا برتاؤ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ویسا ہی برتاؤ فرماتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کو معاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکو معاف فرما دیتا ہے۔ اگر وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکو اسکے ظلم کے برابر سزا دیتا ہے۔

حقوق العباد اتنے ضروری ہیں کہ یہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔ آپ نے اگر کسی کا حق مارا ہے، وہ حق خواہ اخلاقی ہو یا قانونی، آخرت میں ادا کرنا پڑے گا۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ ''یا اللہ! میری اُمت کو بخش دے''۔ حضرت جبریل علیہ السلام پیغام لے کر آئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جو حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں، وہ تو میں بخش دوں گا لیکن جو حقوق العباد ہیں، وہ آخرت میں ادا کرنے پڑیں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ دُعا فرمائی کہ ''یا اللہ تعالیٰ! وہ حقوق تُو اپنی طرف سے ادا فرما دینا''۔ حضرت جبریل علیہ السلام پھر آئے اور فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دُعا بھی قبول فرمالی ہے''۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پوچھا کہ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''جب (حضرت) جبریل (علیہ السلام) نے مجھے یہ پیغام دیا کہ میری دُعا حقوق العباد کے بارے میں بھی قبول ہوگئی ہے تو میں نے دیکھا کہ شیطان اپنے سر میں خاک ڈال رہا ہے''۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بندے کی طرف سے اپنے پاس سے حقوق ادا فرمادے گا۔

ہم سب لوگوں کی زندگی میں حقوق العباد ایک ایسا شعبہ ہے جس پر ہم ہرگز توجہ نہیں دیتے۔ہر وقت ہم شعوری یا لاشعوری طور پر کسی نہ کسی طرح دوسرے کو مالی،جسمانی یا ذہنی اذیت دیتے رہتے ہیں۔ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ **اگر آپ کسی کی بھلائی نہیں کر سکتے تو کم از کم اسکو اپنے شَر سے ہی محفوظ رَکھیں، یہ بھی ایک نیکی ہے**۔اگر آپکو جنت کا شوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو دوسرے لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے بچیں۔اعلیٰ ترین انسان وہ ہے جو دوسرے کا حق ادا کرنے کے بعد اس سے احسان کا برتاؤ کرتا ہے یعنی حق سے زیادہ اسکو عطا کرتا ہے۔(ایک حدیث شریف سے مؤخذ)

اگر ہم اپنے معاشرے کا مشاہدہ کریں تو ہم ایک دوسرے کے حقوق اَدا کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے حقوق مارنے میں زیادہ چالاک بنتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں گویا کہ ہم آخرت کے حساب کو بالکل ہی بھولے ہوئے ہیں۔گھر ہو، بازار ہو یا سڑک،ہم ہر جگہ دوسروں سے ترجیحی سلوک کی توقع رَکھتے ہیں۔نہ ہمیں اپنے حقوق کا علم ہے اور نہ دوسرے کے حقوق کا۔پہلے ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ہر موقع پر ہمارے حقوق اور دوسرے کے حقوق کیا ہیں؟ **یہ علم آپکو قرآن کریم و حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غور کرنے سے مل سکتا ہے** اور پھر دِل میں **اللہ تعالیٰ کا خوف** پیدا کرنا چاہیے کہ اگر ہم نے دوسروں کے حقوق اَدا نہ کیے تو ہمارا ٹھکانہ

جہنم ہوگا اور اس دُنیا میں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو ذلیل بھی کر سکتا ہے۔

## وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

**مشورہ:**

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دونوں ہی حکمت کی کتابیں ہیں اور دُنیا میں ان سے بڑھ کوئی دوسری حکمت کی کتاب نہیں ہے، کے مطالعہ میں غور وفکر سے کام لیں تا کہ آپکو اپنے اور دوسروں کے حقوق کا علم ہو جائے۔ اسکے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کو بغیر سمجھ کے پڑھنا ہمیں فائدہ نہیں دے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں عربی زبان سیکھنی چاہیے۔ ہمارے ہر سکول و کالج میں اسکو لازمی قرار دینا چاہیے اور اسکی کم سے کم تعلیم گریجوایشن تک ہو پھر قرآن کریم کو جب آپ بغیر ترجمہ کے براہِ راست محنت کر کے پڑھیں گے اور اس پر غور کریں گے تو آپکو اندازہ ہوگا کہ اس وقت ہماری پوری زندگی قرآن کریم کے برعکس چل رہی ہے۔ جو لوگ اس بات میں یقین رَکھتے ہیں کہ صرف قرآن کریم کے الفاظ پڑھ لینا کافی ہے، وہ سخت غلطی پر ہیں۔ میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے پیغام کو ترجمے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ مقصد قرآن کریم کا پڑھنا نہیں ہے بلکہ اس میں غور کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، ''**اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا**○'' (محمد ۴۷، آیت ۲۴) ترجمہ ''وہ لوگ (یعنی منکرین ومنافقین) قرآن کریم میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا انکے دِلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟'' یعنی وہ غور وفکر سے اسلئے محروم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے کفر کی وجہ سے انکے دِلوں پر مہر کر دی ہے۔

ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (عباد الرحمٰن)، ''**وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا**○'' (الفرقان ۲۵، آیت ۷۳) ترجمہ ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب انکے سامنے اسکی آیات مبارکہ پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے'' یعنی ان پر غور وفکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اور اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کے لیے سنجیدگی سے تدبیریں کرتے ہیں۔ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۲۳:** عَنْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۶۰)

**ترجمہ :** حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لوگوں نے جو کلماتِ نبوّت سے پایا، ان میں سے یہ جملہ بھی ہے، 'جب تو شرم وحیا نہ کرے تو تُو جو چاہے کر سکتا ہے'' (یعنی تجھ سے ہر طرح کی بے حیائی صادر ہو سکتی ہے)۔

**نوٹ:** ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ'' مِّنَ الْاِیْمَان ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔ (مشکوٰۃ) ایک دوسری حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس میں حیا نہیں، اس میں ایمان نہیں'' (مشکوٰۃ)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت سے ہے۔ فحش گوئی سنگدلی سے ہے اور سنگدلی جہنم سے ہے'' (مشکوٰۃ، ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حیا اور ایمان دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے۔ جب ان میں سے ایک کو اُٹھا لیا جاتا ہے تو دوسری چیز بھی اُٹھ جاتی ہے'' (مشکوٰۃ)

جس دِل سے حیا چلی جاتی ہے، اس سے ایمان بھی چلا جاتا ہے اور جس دِل سے ایمان نکل جاتا ہے، اسکی جگہ جھوٹ (باطل) آ جاتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا اسکی زندگی میں نہ کوئی اصول ہوتا ہے، نہ کوئی ضابطہ۔ نہ اس پر کوئی اعتماد کرتا ہے اور وہ بالآخر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اسکی پوری زندگی ایک حیوان کی زندگی بن جاتی ہے۔ کبھی اِدھر منہ مارتا ہے اور کبھی اُدھر۔ ہماری سیاست کا بالکل یہی حال ہے۔

حیا بھی دو (۲) قسم کی ہے۔ ایک حیا بندوں سے ہے اور ایک حیا اللہ تعالیٰ سے۔ بہت سے بُرے کام ہم اسلئے نہیں کرتے کہ ہم اپنے رشتہ داروں دوستوں سے شرم و حیا

کرتے ہیں۔ جب ہم ان سے دُور ہوتے ہیں تو وہ بُرا کام ہم کرگزرتے ہیں حالانکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہمیں دیکھ رہی ہوتی ہے۔ دَراصل صحیح حیا تو اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔ اگر یہ حیا کی توفیق نصیب ہوجائے تو انسان کسی ماحول میں بھی ہو، **بُرائی سے بچ جاتا ہے۔ ہماری سیاست میں لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں، نہ بندوں سے۔** اس سے معلوم ہوا کہ ان میں ایمان کی رَمق بھی باقی نہیں ہے۔ یہ ہیں ہمارے آج کل کے لیڈر جن پر حضرت علامہ اقبال کا یہ مصرع بالکل صادق آتا ہے۔

؎ ننگ دِین، ننگ ملّت، ننگ وطن

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۲۴:** عَنْ سَالِمٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا حَدَّثَہٗ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَہٗ مِنَ الْخُیَلَآءِ خُسِفَ بِہٖ وَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۶۲)

**ترجمہ:** حضرت سالم نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک دفعہ ایک شخص تکبر کے سبب اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے جا رہا تھا کہ اسکو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا''۔

---

**نوٹ:** ہمارا وی آئی پی (VIP) کلچر تکبر کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تکبر انتہائی ناپسند ہے۔ ابلیس تکبر کی وجہ سے ہی مردود ہوا، ''وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ قف وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○'' (البقرہ ۲، آیت ۳۴) ترجمہ ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے آگے جھکو تو (وہ سب) جھکے مگر ابلیس (نہ جھکا) اس نے انکار کیا اور تکبر میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا''۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے خاص طور پر تکبر کے بارے میں اپنے بیٹے کو یہ نصیحت فرمائی، ''وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○'' (لقمٰن ۳۱، آیت ۱۸) ترجمہ ''اور لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اکڑ کر مت چل۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا''۔

**تکبر شرک اور شیطانیت ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والے کے انجام کو قارون کی مثال سے سمجھایا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ ص وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ ق اِذْ قَالَ لَہٗ قَوْمُہٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ○

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ ''(القصص ۲۸، آیت ۷۶ تا ۷۸) ترجمہ ''بلاشبہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (بنی اسرائیل) سے تھا پھر وہ اپنی قوم کے خلاف ہو گیا (اور دُشمن قوم سے مل گیا یعنی فرعون سے) اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیئے تھے جنکی چابیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اُٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ اسکی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا، 'اتنا اِتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ جو مال و دولت اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دُنیا میں بھی اپنا حصّہ فراموش نہ کرو اور لوگوں سے ایسے ہی احسان کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ کہنے لگا، 'یہ تو جو کچھ مجھے ملا ہے، اس علم کی بدولت ملا ہے جو مجھے حاصل ہے'۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ایسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے زیادہ اور مال و دولت میں اس سے بڑھ کر تھے اور مجرموں کے گناہوں کے متعلق ان سے تو نہ پوچھا جائے گا'' (یعنی اس دُنیا میں ان پر عذاب بھیجنے کیلئے ان سے کوئی سوال جواب نہیں ہوگا۔ سوال جواب کا قانون آخرت کیلئے ہے اور اس قانون سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہوگا حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال جواب ہوں گے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بالآخر قارون کو اسکے تکبر کی وجہ سے زمین میں دھنسا دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ''(القصص ۲۸، آیت ۸۱) ترجمہ ''اور ہم نے قارون اور اسکے گھر کو (سب کچھ) زمین میں دھنسا دیا''۔ قارون کا پورا واقعہ پڑھنے کے لیے آپ دیکھیں سورۃ القصص، آیات ۷۶ تا ۸۴ تک۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر کسی کے دِل میں رائی کے دانے

کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا'' (مشکوٰۃ)

ہمارے ہاں تکبر کی بیماری سیاست اور بیوروکریسی میں بہت عام ہے۔ وہ قانونی طور پر تو پبلک سرونٹ (خدّامِ عوام الناس) ہیں لیکن انکارویہّ فرعونی ہوتا ہے جسکی وجہ سے عوام الناس کے مسائل حل ہونے کے بجائے اَور پیچیدہ ہوجاتے ہیں۔

تکبر سے علمائے دِین بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۲۵:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ خِیَارُهُمْ فِیْ الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِیْ الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا وَتَجِدُوْنَ خَیْرَ النَّاسِ فِیْ هٰذَا الشَانِ اَشَدَّهُمْ لَهٗ کَرَاهِیَةً وَتَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ اِذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَأْتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَیَأْتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۲۶۹)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم لوگوں کو ''معدنی کان'' کی طرح پاؤ گے۔ ان میں سے جو جاہلیت کے دَور میں بہتر تھے، وہ اِسلام کے زمانہ میں بھی بہتر ہیں جبکہ وہ دین میں سمجھدار ہوں۔ تم اِسلام میں سب سے بہتر اسے پاؤ گے جو اِسلام کو بہت بُرا سمجھتا تھا اور لوگوں میں شرارتی ان لوگوں کو پاؤ گے جو دو چہروں والے ہیں۔ جو اِن لوگوں کے پاس ایک منہ سے آتے ہیں اور اُن لوگوں کے پاس دوسرے منہ سے آتے ہیں'' (یعنی منافقین)

**نوٹ:** جب سونا مٹی میں ملا ہوتا ہے تو تب بھی وہ سونا ہی ہوتا ہے۔ جب مٹی سے اسکو صاف کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ اصلی سونا سب کو نظر آتا ہے۔

اسی طرح زمانہء جاہلیت میں جو شخص جرأت سے اپنی جاہلیت پر اَڑا رہتا ہے تو ایمان لانے کے بعد بھی وہ اسی طرح حق پر ڈٹ جاتا ہے۔ اسکے برعکس جو شخص جاہلیت میں جرأت مند نہیں ہوتا اور مذبذب رہتا ہے تو ایمان لانے کے بعد بھی جرأت سے اپنے ایمان پر قائم نہیں رہتا۔ یہ نشانی ہے منافق کی۔ منافق انسان ہر جگہ چونکہ صحیح بات نہیں کر سکتا، اسلئے وہ فساد کا ایک بہت بڑا سبب بن جاتا ہے۔ منافق ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں اور صحیح جماعتِ مؤمنین میں اپنی بزدلانہ دورُخی گفتگو سے فساد مچاتے رہتے ہیں۔ ظاہری طور پر یہ ہوتے تو مسلمان ہیں لیکن دِل میں خلوص نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاشرے کا بدترین حصہ ہیں۔ انکی پہچان تو مشکل نہیں ہے لیکن ان

سے چھٹکارا بہت مشکل ہے کیونکہ قانونی طور پر وہ مسلمان ہوتے ہیں۔ یہ حدیث مبارکہ ہمارے سیاسی ماحول کی پوری ترجمانی کر رہی ہے۔ اگر آپ نے اس حدیث شریف کی واقعتاً عملی صورت دیکھنی ہے تو اپنی ملکی سیاست کے رنگ ڈھنگ دیکھئے۔

یاد رَکھیے معاشرے میں تین قسم کے لوگ قیامت تک ہمیشہ رہیں گے، (۱) مسلمین صادقین (صحیح مؤمن) (۲) مسلمین منافقین (منافقین جو کہ جہنمی ہیں) (۳) کافرین۔ جماعتِ کافرین تو بالکل واضح ہوتے ہیں، اسلئے ان سے بچاؤ کی تدابیر کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہ جرأت مندی سے اپنی مخالفت پر ڈَٹے رہتے ہیں۔ ان میں دورُخی نہیں دیکھی گئی۔ مسلمین صادقین بھی اپنے دِین پر قائم رہتے ہیں خواہ انکی جان چلی جائے جبکہ مسلمین منافقین وہ لوگ ہوتے ہیں جو کبھی سیدھی بات نہیں کرتے اور اپنی بزدِلی کی وجہ سے اپنی مخالفت کو بھی چھپائے رَکھتے ہیں اور ابن الوقت ہونے کی وجہ سے مسلمین صادقین سے فائدے بھی اُٹھا لیتے ہیں۔ یہ دَراصل انتہائی خطرناک گروہ ہے کیونکہ انکی چالوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اسلئے کہ اوپر سے وہ انتہائی پُرخلوص نظر آتے ہیں لیکن وہ دِل سے اتنے ہی آپکے شدید دُشمن ہوتے ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے، ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا ○'' (النساء۴، آیت ۱۴۵) ترجمہ ''منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم انکا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے''۔ یہ لوگ دَراصل مسلم معاشرہ میں فساد برپا کرنے کے لیے سب سے آگے آگے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، '' وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ○ ''(البقرۃ۲، آیت ۱۱-۱۲) ترجمہ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ سُن رَکھو حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اسکا بھی احساس نہیں رَکھتے''۔

''وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ملک کے بگڑتے ہوئے حالات ایسے لوگوں کی وجہ سے ہیں''۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

**حدیث ۲۶:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَتَعَجَّبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۰۷)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا اور اسے بہت خوبصورت کیا مگر ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اسکو دیکھتے اور خوش ہوتے اور کہتے، 'یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النَّبیّین ہوں''۔

**نوٹ:** یہ حدیث مبارکہ ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔ نبوت کے مکان کی آخری اینٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اسکے بعد کسی اور اینٹ کی نہ تو جگہ ہے، نہ ضرورت ہے۔ سلسلہء نبوت کا مکان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے پر مکمل ہو چکا ہے۔ ''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۴۰) ترجمہ ''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

نبیوں کو بھیجنے والا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ خود بتا رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں کوئی نبی نہیں بھیجوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے، ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ○'' (النساء ۴، آیت ۸۷) ترجمہ ''اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے''۔ اگر اسکے بعد بھی کوئی دلیلیں لاتا ہے اور اپنے فلسفیانہ

زورِ بیان سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے تو وہ صرف اپنی آخرت خراب کر رہا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۲۷:** عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَامُتَفَحِّشًا وَکَانَ یَقُوْلُ اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۳۱)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فحش گو نہ تھے اور نہ ہی تکلف سے فحش گو بنتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے، ''تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں''۔

○.....○.....○

**حدیث ۲۸:** عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَھَا اَکَلَہٗ وَاِلَّا تَرَکَہٗ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۳۶)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر کھانے کی خواہش ہوتی تو تناول فرما لیتے ورنہ اسے چھوڑ دیتے''۔

**نوٹ:** جو انسان معاشرے میں بلند مقام پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اس سے اعلیٰ اخلاق کی توقع رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ اخلاق میں بلند ترین مقام رکھتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند ترین مقام دیا اور چونکہ وہ بلند ترین مقام پر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے بلند اخلاق کی توقع رکھتا تھا جس پر وہ پورے اُترے۔ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا، ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○''(القلم ۶۸، آیت ۴) ترجمہ ''اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو کہ اپنی اپنی قوم کے لیڈر تھے، اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے اور ایسا ہی اخلاق انہوں نے اپنی قوم کو سکھانے کی کوشش کی۔ جو انکی بات مان

گئے یعنی ایمان لے آئے اور اپنے اخلاق کو درست کر لیا، وہ جنت کے وارث بن گئے اور جنہوں نے انکار کیا یعنی کافر رَہے، انکا ٹھکانہ جہنم بنا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بداخلاق آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا'' (ترمذی، باب ۱۲۵۹ خادم پر احسان)

حضرت ایوب بن موسیٰ اپنے والد سے اور وہ انکے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن اَدب سے بہتر انعام نہیں دیا'' (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص لوگوں کا شکر اَدا نہیں کرتا، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر اَدا نہیں کیا'' (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''کس عمل کی وجہ سے لوگ زیادہ جنت میں داخل ہوں گے؟'' فرمایا ''**اللہ تعالیٰ کے خوف اور حسنِ اخلاق سے**'' (ترمذی)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا، ''اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں'' یعنی قیامت کے دِن حساب وکتاب کے وقت اور اچھے اخلاق والا روزے رَکھنے اور نمازیں پڑھنے والے کے درجے کو پہنچتا ہے۔ (ترمذی)

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے بہترین اخلاق والا وہ ہے جو اپنے اہل سے اچھا اخلاق رکھتا ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل سے اچھا برتاؤ کرنے والا ہوں''۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے زمانے کی دُنیا میں بہترین اخلاق پر تھے۔ خلیفہ یا کسی علاقے کا گورنر وہ بنتا تھا جسکا اخلاق بلند ترین ہوتا تھا۔ آج ہمارے معاشرے کی بلند ترین سطح پر وہ لوگ ہیں جن کے **اخلاق بدترین ہیں**۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکو بلند مقام میرٹ پر نہیں ملا بلکہ **کرپشن** اور **ریشہ دوانیوں** کی وجہ سے انہوں نے حاصل کیا ہوا ہے خواہ وہ گروہِ علماء میں سے ہوں یا حکمرانوں میں سے۔

لیڈر یعنی حکمران، عالم یا کسی ادارے کا انچارج یا والدین اپنے اخلاق اور شخصیت کو اپنے ماتحتوں میں سرایت کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اخلاق حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں نفوذ فرما دیئے تھے جسکی وجہ سے انکا معیارِ اخلاق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے قریب جا پہنچا تھا۔ جو لیڈر سفلی عادات سے متصف ہوگا، وہ اپنی قوم میں سفلی عادات پیدا کر دے گا جسکا نتیجہ بالآخر یہ نکلے گا کہ وہ دُنیا کی ایک بدترین قوم بن جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں ایسی گرفتار ہو جائے کہ اسکا زندہ رہنا بھی محال بن جائے جیسے فرعون اور اسکی قوم کے ساتھ ہوا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث۲۹:** عَنْ عَدِیّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَیْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاہُ رَجُل'' فَشَکَا اِلَیْہِ الْفَاقَۃَ ثُمَّ جَآءَہٗ اٰخَرُ فَشَکَا اِلَیْہِ قَطْعَ السَّبِیْلِ فَقَالَ یَاعَدِیُّ (رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ) ھَلْ رَأَیْتَ الْحِیْرَۃَ قُلْتُ لَمْ اَرَھَا وَقَدْ اُنْبِئْتُ عَنْھَا قَالَ فَاِنْ طَالَتْ بِکَ حَیٰوۃ'' لَتَرَیَنَّ الظَّعِیْنَۃَ تَرْحَلُ مِنَ الْحِیْرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْکَعْبَۃَ لَا تَخَافُ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ قُلْتُ فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ نَفْسِیْ فَاَیْنَ دُعَارَ طَیِّءٍ الَّذِیْنَ قَدْ سَعَّرُوْا الْبِلَادَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیٰوۃ'' لَتَفْتَحُنَّ کُنُوْزَ کِسْرٰی قُلْتُ کِسْرٰی بْنُ ھُرْمُزْ وَلَئِنْ طَالَتْ بِکَ حَیٰوۃ'' لَتَرَیَنَّ الرَّجُلَ یُخْرِجُ مِلْأَ کَفِّہٖ مِنْ ذَھَبٍ اَوْ فِضَّۃٍ یَطْلُبُ مَنْ یَقْبَلُہٗ مِنْہُ فَلَا یَجِدُ اَحَدًا یَقْبَلُہٗ مِنْہُ وَلَیَلْقَیَنَّ اللّٰہَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ یَلْقَاہُ وَلَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَان'' یُتَرْجِمُ لَہٗ فَلَیَقُوْلَنَّ لَہٗ اَلَمْ اَبْعَثْ اِلَیْکَ رَسُوْلًا فَیُبَلِّغَکَ فَیَقُوْلُ بَلٰی فَیَقُوْلُ اَلَمْ اُعْطِکَ مَالًا وَوَلَدًا وَاُفَضِّلْ عَلَیْکَ فَیَقُوْلُ بَلٰی فَیَنْظُر عَنْ یَمِیْنِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا جَھَنَّمَ وَیَنْظُرُ عَنْ یَسَارِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا جَھَنَّمَ قَالَ عَدِیّ'' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِتَّقُوْ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَمَنْ لَمْ یَجِدْ شِقَّ تَمْرَۃٍ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ قَالَ عَدِیّ'' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَرَأَیْتُ الظَعِیْنَۃَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِیْرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْکَعْبَۃِ لَاتَخَافُ اِلَّا اللّٰہَ تَعَالٰی وَکُنْتُ فِیْمَنِ افْتَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرٰی بْنِ ھُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِکُمْ حَیٰوۃ'' لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِیُّ اَبُوْ الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُخْرِجُ مِلْأَ کَفِّہٖ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث۳۳۶۵)

**ترجمہ :** حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ایک دفعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور اس نے ڈاکہ زنی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے (حضرت) عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن مجھے اسکی خبر دی گئی ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر تیری زندگی لمبی ہوئی تو تُو ایک عورت کو دیکھے گا کہ وہ حیرہ سے چلے گی حتیٰ کہ کعبۃ اللہ شریف کا طواف کرے گی۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا''۔ میں نے دِل میں خیال کیا کہ طَیّ کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے؟ جنہوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رَکھی ہے۔ ''اے (حضرت) عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر تیری زندگی طویل ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے''۔ میں نے عرض کیا، ''کسریٰ بن ہُرمُز کے خزانے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کسریٰ بن ہُرمُز کے خزانے فتح کرو گے۔ اے (حضرت) عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر تیری حیاتی دراز ہوئی تو تم ایک شخص کو دیکھو گے کہ وہ سونے یا چاندی کی مٹھی بھر کر نکلے گا اور ان لوگوں کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کریں لیکن وہ ایسا کوئی شخص نہ پائے گا جو اسے قبول کرے اور یقیناً تم میں سے کوئی ایک اللہ رَبّ العزت سے ملے گا۔ جس روز اس سے ملے گا اور اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا جو اسے ترجمہ سمجھائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'کیا میں نے تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہیں بھیجا تھا جس نے تمہیں میرا حکم پہنچایا ہو؟' وہ کہے گا، 'کیوں نہیں، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تھے)'۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'کیا میں نے تمہیں مال و دولت نہیں دی تھی، کیا میں نے تجھے فضیلت نہ دی تھی؟' وہ کہے گا، 'کیوں نہیں (سب کچھ دیا تھا)'۔ پھر وہ اپنے دائیں نظر کرے گا تو سوا

دوزخ کے اسے کچھ نظر نہ آئے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو سوا دوزخ کے کچھ نہ دیکھے گا''۔ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا صدقہ کر کے بچو۔ اور جو کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو لوگوں سے اچھی بات کہہ کر ہی بچے''۔ حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ حیرہ سے چلتی اور کعبۃ اللہ شریف کا طواف کرتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی تھی اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ بن ہُرمُز کے خزانے فتح کئے تھے اور اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم وہ بھی دیکھو گے جو نبی کریم ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سونے چاندی کی مٹھی بھر کر نکلو گے'' (اور اسکو قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا)۔

**نوٹ:** آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دَورِ نبوت میں حجاز میں غربت اور ڈاکہ زَنی عام تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث شریف میں فرمایا کہ جو نظام مَیں لے کر آیا ہوں (یعنی نظامِ اِسلام، قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب مکمل طور پر نافذ ہو جائے گا تو نہ عرب میں غربت رہے گی، نہ ہی ڈاکہ زَنی کیونکہ اس نظام کے تحت عدل قائم ہوگا اور عدل کی وجہ سے مالی اور اخلاقی ترقی ہوگی۔ یہ ترقی مدّتِ دراز تک قائم رہی۔ اخلاقی، مالی، سیاسی اور عسکری طور پر ہزار سال سے زیادہ مسلم اُمّت دُنیا کی واحد سپر پاور رَہی۔ اسکے بعد مال کی کثرت کی وجہ سے دِینی انحطاط شروع ہوگیا۔ بُرے اعمال زیادہ ہونے لگے۔ صدقہ اور زکوٰۃ کم دیا جانے لگا اور اَمر بالمعروف یعنی تبلیغ دِین کا رُجحان تقریباً ختم ہوگیا۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے، دِین کا انحطاط دولت کی کثرت کی وجہ سے ہوا۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ جب دولت زیادہ ہوتی ہے تو انسان لالچی بن جاتا ہے اور دُنیا کی ہوس ختم نہیں ہوتی، قرآن کریم کہتا ہے، ''**اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○**'' (التکاثر ۱۰۲، آیت ۱-۲) ترجمہ ''تم دولت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے میں مگن رہتے ہو حتیٰ کہ تمہارا آخری وقت آجاتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دولت کمانے کی کہیں بھی حوصلہ شکنی نہیں فرمائی بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی

ہے لیکن ساتھ ہی اسکو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی بھی ترغیب فرمائی ہے اور کمانے میں حرام وحلال کی تمیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ دولت کو جمع کرنے کی مصروفیات میں آدمی دِین کے بنیادی فرائض مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو بھول بیٹھتا ہے۔ جب یہ بنیادی باتیں انسان کی زندگی سے غائب ہو جاتی ہیں تو ساری زندگی غلط راستے پر بسر ہوتی ہے پھر آخر اسکا ٹھکانہ جہنم بن جاتا ہے۔

اس حدیث شریف میں ہمارے لیے ایک سبق یہ ہے کہ دولت کمانے میں حرام وحلال کی تمیز رَکھی جائے۔ اس کے خرچ کرنے میں اسراف اور رِیا سے بچا جائے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کی جائے اور اللہ رَبّ العزت کا شکر اَدا کیا جائے۔ یہ یاد رَہے کہ روزی کا کمانا گو انتہائی ضروری ہے لیکن احکاماتِ الٰہیہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مدد کرتے رہنا دولت کمانے سے زیادہ ضروری ہے۔

اس حدیث شریف میں دوسرا سبق یہ ہے کہ ہمیں نظامِ اسلام کو خود اپنی ذات پر نافذ کرنا چاہیے اور ملک میں اسکو نافذ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ عدل وانصاف اور اَمن کا وہ ماحول پیدا ہو جائے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔

اس حدیث شریف کا تیسرا سبق یہ ہے کہ مال و دولت کی فراوانی سخت محنت و مشقت کے بعد آتی ہے، گھر بیٹھے نہیں آتی اور محنت بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق مطلوب ہے۔

چوتھا سبق یہ ہے کہ اس معاشرے میں قناعت کا ماحول پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی شخص خیرات کرنے کیلئے باہر نکلتا ہے تو اسکو کوئی خیرات قبول کرنے والا نہیں ملتا حالانکہ دولت ایسی چیز ہے کہ انسان کا پیٹ کبھی بھی نہیں بھرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○'' (التکاثر ۱۰۲، آیت ۱-۲) ترجمہ ''تم دولت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے میں مگن رہتے ہو حتیٰ کہ تمہارا آخری وقت آ جاتا

ہے''۔ قناعت کی یہ روحانی صفت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں عام ملتی تھی۔ بہت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو حکومت کی طرف سے مقرر کیا ہوا وظیفہ بھی لینے سے انکار کر دیتے تھے جو کہ اسکا لینا بالکل جائز تھا۔ دُنیا پر اس درجہ کی قناعت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بعد کے ادوار میں نہیں دیکھی گئی۔

ذرا سوچئے کیا ہم میں قناعت ہے اور اگر ہے تو کس درجہ پر؟ ہمارے ملک میں کھربوں کا قرض جو ہے، یہ کیا ظاہر کرتا ہے؟

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۰:** عَنْ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ '' اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ '' مِّنَ الْقَآئِمِ وَالْقَآئِمُ فِيْهَا خَيْرٌ '' مِنَ الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ فِيْهَا خَيْرٌ '' مِنَ السَّاعِیْ مَنْ يُّشْرِفْ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ ' وَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً اَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْبِهٖ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ ثَنِیْ اَبُوْبَكْرِ ابْنُ عَبْدِالرَحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِالرَحْمٰنِ بْنِ مُطِيْعِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ مِثْلَ حَدِيْثِ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ هٰذَا اِلَّا اَنَّ اَبَابَكْرٍ يَزِيْدُ مِنَ الصَّلٰوةِ '' صَلٰوةٌ '' مَنْ فَاتَتْهُ ' فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ ' وَمَالُهٗ ' ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۷۱)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''عنقریب بہت فتنے یعنی آزمائشیں آئیں گی۔ ان میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو کوئی پناہ کی جگہ پائے، وہ وہاں چلا جائے (وہاں پناہ لے لے)''۔ حضرت ابن شہاب سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، ''مجھے حضرت ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے حضرت عبدالرحمٰن بن مطیع بن اسود سے بیان فرمایا، انہوں نے حضرت نوفل بن معاویہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کی طرح بیان فرمایا مگر حضرت ابو بکر نے اضافہ فرمایا کہ نمازوں میں سے ایک نماز ہے جس سے وہ فوت ہو جائے گویا کہ اسکے اہل واولاد اور مال ودولت لوٹ لئے گئے''۔

**نوٹ:** یہاں فتنوں سے مراد غیر اِسلامی طرزِ زندگی ہے جسکے نتیجے میں عدل و انصاف جاتا رہتا ہے۔ قتل وغارت عام ہو جاتی ہے۔ غربت، بھوک اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں جو معاشرتی تعلقات میں کم حصہ لے گا، اتنا ہی وہ اپنے دِین کو بچا لے گا۔ جس نماز کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسکے اہل واولاد اور مال ودولت لوٹ لئے گئے، وہ نمازِ عصر ہے۔ (سنن نسائی، حدیث ۴۸۲)

آج کا زمانہ فتنوں کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے بچنے کیلئے ہماری مدد فرمائے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے (آمین)

آج کل کے زمانے کا بہت بڑا فتنہ جھوٹ اور بدنیتی ہے۔ ہمارا خلوص نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہا اور نہ ہی بندوں کے ساتھ۔ یہ رویّہ ہر فتنے کی جڑ ہے۔ جب تک ہم جھوٹ کو نہیں چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بندوں کے حقوق اَدا نہیں کریں گے، ہم سیدھے راستے پر نہیں آ سکتے۔ حقوق کا علم حاصل کرنے کے لیے کہ آپ کے حقوق کیا ہیں اور دوسروں کے حقوق کیا ہیں؟ قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ لازمی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۱:** عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَکُوْنُ اُثْرَۃٌ وَاُمُوْرٌ تُنْکِرُوْنَھَا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَمَا تَامُرُنَا؟ قَالَ تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ وَتَسْأَلُوْنَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَکُمْ ۔(تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۷۲)

**ترجمہ :** حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ، ''عنقریب دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی اور ایسے امور پیش آئیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے''۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟'' فرمایا، ''جو حق تم پر ہے، اسکو ادا کرتے رہو اور جو تمہارا حق ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگو''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ ہر انسان جو حق اس پر آتا ہے، وہ پورے خلوص سے ادا کرے اور اگر اسکا حق مارا جاتا ہے تو اس پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کی ادائیگی کی دُعا مانگے۔ اس رویّے سے انسان کو اس دُنیا میں بھی اَجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی کیونکہ اس سے معاشرے میں اَمن عامہ قائم ہوتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

اپنا حق لینے کا بہترین طریقہ یہی ہے۔ اگر آپ اپنے حق کی خاطر لڑائی جھگڑا کریں گے اور معاشرے کا اَمن تباہ کریں گے تو یہ ایک قابل نفرت طریقہ ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان حکومت کے ذریعے اپنا حق مانگ لے اور ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دُعا کرتا رہے کہ جس نے حق غصب کیا ہے، اللہ تعالیٰ اسکا دِل نرم فرما دے اور ثالث کو حق دلوانے کی حکمت اور طاقت دے۔ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی رَکھے نہ کہ حکومتی اور غیر حکومتی وسائل پر لیکن قانون کے مطابق کارروائی کرتا رَہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ۝'' (محمد ۴۷، آیت ۷) ترجمہ ''اے ایمان والو!

اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رَکھے گا''۔ قانونی کارروائی میں کوئی ناجائز طریقہ استعمال نہ کرے۔ نہ ہی جھوٹ بولے، نہ ہی جھوٹی شہادتیں پیش کرے اور نہ ہی اپنے حق سے زیادہ مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا، ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۹۰) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا'' ورنہ تم ظالم بن جاؤ گے اور ظالم مظلوم بن جائے گا۔

عوام کے حقوق کی حفاظت کرنا حکومت کا فرضِ عین ہے۔ حکومت ہوتی ہی اسلئے ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ اس میں کمزور کی مدد کرنی ہوتی ہے اور ظالم کا ہاتھ روکنا اور اسکو سزا دینا ہوتا ہے لیکن ہمارے حکمران اب تک جتنے آئے ہیں، اپنے فرضِ عین کی ذمّہ داری کے احساس سے بے حس ثابت ہوئے ہیں۔

کچھ لوگ تو اپنی حق تلفی پر صبر کر لیتے ہیں لیکن اکثریت یا تو مقدمہ کرتی ہے جس میں دوسرے فریق کو سزا دلوانے کیلئے کئی طریقوں سے تجاوز کرتی ہے حتیٰ کہ ''اللہ کی قسم'' پر جھوٹی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں یا پھر وہ جو عدالت نہیں جاتے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور آبرو ریزی، کردار کشی، چوری، ڈکیتی اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح ایک دوسرے پر ظلم کرنے کے ساتھ پورے معاشرے کا اَمن خراب کیا جاتا ہے جسکے اثرات معیشت پر بہت جلد پڑتے ہیں اور دُور رَس اثرات ایسے ہیں جیسے دیمک اندر سے لکڑی کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں اور یہ سب ہی حکمرانوں کے دانستہ طور پر پیدا کئے ہوئے ہیں اور مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ ملک میں اَمن قائم نہ ہو سکے۔

ہمارے حکمران عوام کو دوسرے کا حق دینا یا حق نہ ملنے پر صبر کرنا نہیں سکھاتے بلکہ حق مارنا اور ظلم کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ اپنے فرضِ عین کے خلاف کر رہے ہیں اور ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرتے جا رہے ہیں۔ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ عوام کی خدمت کر رہے ہیں۔ اتنا جھوٹا تو شیطان بھی نہیں ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

**حدیث ۳۲:** عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ شَکَوْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَۃً لَّہٗ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَۃِ فَقُلْنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تَدْعُوْ اللّٰہَ لَنَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ الرَّجُلُ فِیْمَنْ قَبْلَکُمْ یُحْفَرُ لَہٗ فِی الْاَرْضِ فَیُجْعَلُ فِیْھَا فَیُجَآءَ بِالْمِنْشَارِ فَیُوْضَعُ عَلٰی رَأْسِہٖ فَیُشَقُّ بِاثْنَیْنِ وَمَا یَصُدُّہٗ عَنْ دِیْنِہٖ وَیُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِیْدِ مَادُوْنَ لَحْمِہٖ مِنْ عَظْمٍ اَوْ عَصَبٍ وَمَا یَصُدُّہٗ ذٰلِکَ عَنْ دِیْنِہٖ وَاللّٰہِ لَیُتَمَّنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یَسِیْرَا الرَّاکِبُ مِنْ صَنْعَآءَ اِلٰی حَضْرَمَوْتَ لَایَخَافُ اِلَّا اللّٰہَ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰی غَنَمِہٖ وَلٰکِنَّکُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۳۸۱)

**ترجمہ:** حضرت خبّاب بن ارتّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور یہ شکایت عرض کی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ شریف کے سایہ میں چادر اوڑھے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے اور اللہ ربّ العزت سے ہمارے لیے دُعا کیوں نہیں فرماتے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم سے پہلے بعض لوگ ایسے تھے کہ ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا پھر آرا لایا جاتا اور ان کے سروں پر رَکھا جاتا اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ مگر یہ عذاب بھی ان کو ان کے دین سے نہ ہٹا سکا اور لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور ہڈیوں یا پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ پھیرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اِسلام کو کامل فرمائے گا حتیٰ کہ کوئی ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلے گا، اسے اللہ جل جلالہٗ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور نہ اسے اپنی بکریوں کے بارے میں بھیڑیئے کا ڈر ہوگا لیکن تم نے تو جلدی کرنا شروع کر دی ہے''۔

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ مکرمہ کا دَور انتہائی مشکل دَور تھا۔ان حالات میں ایک عام انسان وہی درخواست کرے گا جو حضرت خبّاب بن ارتّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی تھی لیکن ذرا اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **ہمت کے معیار** کا اندازہ لگائیے کہ ابھی وہ ان مصیبتوں کو بھی معمولی سمجھ رہے ہیں اور بالواسطہ حضرت خبّاب بن ارَتّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو **اپنا حوصلہ بلند رکھنے، صبر جمیل کرنے اور اللہ جل جلالہٗ پر بھروسہ رکھنے کا سبق دے رہے ہیں**۔ساتھ ہی **صراطِ مستقیم پر چلنے** کا اَجر یہ بتا رہے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ملک میں پورا اَمن واَمان ہو جائے گا حتیٰ کہ کوئی سوار اکیلا سفر کرنے سے خوف نہیں کھائے گا سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔

یہ ایک مطلق سچائی (Universal Truth) ہے کہ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر عمل کرنے سے ایسا نظامِ عدل وجود میں آتا ہے جو کہ مکمل اَمن کی ضمانت دیتا ہے۔اس نظامِ عدل کی وجہ سے ظالم میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اسکو حکومت کی سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ملنے کا خوف اتنا لاحق ہوتا ہے کہ اگر ظلم کرنا بھی چاہے تو اس خوف کی وجہ سے نہ کر سکے گا۔

ذرا اپنی حالت پر تو غور کریں کہ ہمارا نظامِ ریاست کن خطوط پر چلایا جا رہا ہے۔یہ سراسر قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برعکس ہے۔وہی قوانین جاری ہیں جو انگریز کے زمانے میں بنے تھے اور موجودہ قوانین انہی خطوط پر بنائے جا رہے ہیں۔ہماری حکومتیں اِسلام کا نام برائے نام لیتی ہیں۔**اگر حکومت کا سربراہ کلمہ بھی نہیں جانتا اور نماز بھی نہیں پڑھتا تو ہمارا حشر کیا ہونا چاہیے**؟ کیا ہم بیوقوف نہیں ہیں کہ ہم ایسے حکمرانوں کو تسلیم کر لیتے ہیں؟ خواہ وہ سیاست سے آئیں یا غیر سیاسی طریقے سے۔**اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود ہمارے اندر ایمان کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔**

اسکا حل صرف اِسلامی اور سائنسی تعلیم کو عام کرنے میں ہے لیکن بات پھر وہی ہے کہ یہ کام تو حکومت ہی کر سکتی ہے اور حکومت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے اور ابھی تک ہے جو اِسلام کا مطلب بھی نہیں جانتے۔**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۳۳: عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَیْلُ مَعْقُوْد'' فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔** (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۴۰۹)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر باندھی گئی ہے''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ میں سبق یہ ہے کہ ملکی دفاع میں ہر شخص حصّہ لے اور ملک مجموعی طور پر دُشمن کے مقابلے کیلئے تمام وسائل کے ساتھ ہر وقت تیار رَہے۔

خیر اسی میں ہے کہ ہم اپنے دُشمن سے غافل نہ رہیں۔ بعض دُشمنوں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن بعض چھپے ہوتے ہیں۔ ملک اور قوم کا تحفظ ہر زمانے میں اسکی ضروریات کو مدِّنظر رَکھ کر کیا جاتا ہے۔ ملک وقوم کی حفاظت کے دو (۲) بنیادی مقصد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اگر ہم غلام بن جائیں گے تو فاتح ہمیں بے دِین کر دے گا اور دوسرا مقصد یہ کہ وہ ہماری نسل کو بھی ختم کرنے کے دَرپے ہوگا۔ فرعون بنی اسرائیل کی نسل کو اسی لیے ختم کر رہا تھا اور انکو انکی سہل انگیزی کی وجہ سے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ ملک میں ہر جگہ وہ کمزور ترین قوم سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ انکے سامنے انکے بیٹوں کو قتل کیا جا رہا تھا کہ اس قوم کی اَصل ہی ختم ہو جائے اور حد یہ تھی کہ اس قوم میں اسکے خلاف کسی کو زبان کھولنے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ انکی بیٹیوں کو قبطی اپنی لونڈیاں بنا کر رَکھتے تھے۔

بہترین جہاد سرحدوں کی حفاظت ہے (شرح مسلم از غلام رسول سعیدی، باب کتاب الجہاد)۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے، ''**وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ ج اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○**'' (الانفال ۸، آیت ۶۰)

ترجمہ ''اور ان سے مقابلہ کیلئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے، سامانِ جنگ تیار رَکھو بذریعہ

قوت (اسلحہء جنگ) اور تیار بندھے ہوئے گھوڑوں سے جنکے ذریعے تم اپنا رُعب اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دُشمنوں پر ڈالے رَکھ سکتے ہو اور ان لوگوں پر بھی جو تمہارے دُشمن ہیں اور تمہیں انکا علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ انکو جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ تعالیٰ کی راہ (دفاع) میں خرچ کرو گے، اسکا اَجر تمہیں پورا پورا عطا فرما دے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا'' (یعنی تمہارا اَجر کم نہیں کیا جائے گا)۔

اَجر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی عزت دے گا اور باقی قوموں سے سربلند فرمائے گا اور آخرت میں بھی عزت کے مقام یعنی جنت میں داخل فرمائے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کے بعد کوئی کسر باقی رَہ جاتی ہے کہ ہم **ملکی دفاع کو وہ اہمیت نہ دیں جو زمانے کا تقاضا ہے**۔ ہم دُنیا میں آبادی کے لحاظ سے چھٹا ملک ہیں لیکن دفاع کے لحاظ سے ہمارا نمبر بہت نیچے آجاتا ہے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان جو ہم سے چھوٹے ملک ہیں، وہ اپنے دفاع میں ہم سے کئی گنا آگے ہیں۔

ہم نے ان ساٹھ سالوں میں عسکری سائنس پر زمانے کے تقاضوں کے مطابق توجہ نہیں دی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایٹم بم ٹیکنالوجی کا حصول اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے اور ہمارے ایٹمی سائنس دان اس کارِنمایاں میں قوم کے سب سے بڑے محسن ہیں۔ ایٹم بم کے علاوہ باقی عسکری مشینری پر ہم مغربی ممالک پر انحصار کرتے ہیں۔ گو انحصاری کم ہوتی جارہی ہے لیکن مکمل طور پر خود انحصاری حاصل نہیں کی۔ اس میں مزید کوشش کی سخت ضرورت ہے۔

مادی وسائل کے بھرپور حصول کے علاوہ فوجی کی انفرادی ٹریننگ کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ فوجی کی نگاہ اپنی تنخواہ پر ہوتی ہے۔ وہ صرف اسلئے ڈیوٹی کررہا ہے کہ وہ تنخواہ لیتا ہے یا یہ دھیان ہوتا ہے کہ حلال روزی کمارہا ہے۔ شاید جنگ کے موقع پر اسکو خیال آجائے کہ وہ تنخواہ کے عوض ملک کی حفاظت کرنے میں شامل ہے۔

فوجی کی یہ سوچ صرف نصف سچائی ہے۔ پوری سچائی یہ ہے کہ اسکو سوچنا چاہیے کہ وہ ہرلمحہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بسر کررہا ہے۔ اگر وہ اپنے دِل میں یہ دھیان بٹھالے کہ تنخواہ مجھے ملے یا نہ ملے، میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے ملک کی حفاظت کرنی ہے تو پھر

اسکی ملازمت اللہ تعالیٰ کے راستے میں شمار ہو جائے گی۔ اگر وہ صرف ملازمت کیلئے ملکی دفاع کر رہا ہے تو پھر اسکی یہ خدمت صرف تنخواہ کیلئے شمار ہوگی۔

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے جہاد کیلئے ایک آدمی کو اپنا ساز وسامان اُٹھانے کیلئے مزدوری پر رکھا ہے۔ میں نے اسکو اختیار دیا کہ یا تو تُــو یومیہ مزدوری لے لو یا جنگ ختم ہونے کے بعد جو مالِ غنیمت مجھے ملے گا، اس میں آپکا حصّہ بھی ہوگا تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اسکو جہاد کا ثواب ملے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو مزدوری اس نے آپ سے طے کی ہے، وہی اسکے لیے جنگ کا صلہ ہے'' (یعنی اسکو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا گو اس نے جہاد میں حصّہ لیا۔ یہ صرف اسلئے ہوا کہ اسکی سوچ بَس یہی تھی کہ میں کام تنخواہ پر کروں گا اور تنخواہ کی خاطر اس نے مجاہد کا ساتھ دیا)۔ (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فوجی کی ٹریننگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِنگرانی ہوتی تھی اور یہ روزمرّہ کا عمل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فوج کی طاقت کا پہلا **ستون فوجی کی نیّت اور ایمان باللہ تھا**۔ جو خوش قسمت تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو مان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور دَست و بازو بن جاتے تھے خواہ انکو مالِ غنیمت میں کچھ ملے یا نہ ملے اور جو بدقسمت تھے، انہوں نے تکبّر کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو نہیں مانا یعنی ایمان نہیں لائے یا **منافقین** رہے اور **آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلّم انسانیت ہونے سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور جہالت کی موت مرے**۔

آج کل فوج کی ٹریننگ ایک وسیع تر منصوبہ بندی کے تحت ہوتی ہے۔ یہ منصوبہ بندی سپہ سالارِ اعلیٰ کے ہاتھ میں ہوتی ہے یعنی کمانڈر اِنچیف۔ اس لحاظ سے سپہ سالارِ اعلیٰ یعنی کمانڈر اِنچیف کی اپنی شخصیت بہت ضروری ہے۔ اِس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ سپہ سالارِ اعظم یعنی سپریم کمانڈر (سربراہِ ریاست) **ایک متقی، زیرک اور بہادر** آدمی ہو

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایران میں کئی محاذوں پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنگ کر رہے تھے۔ ایک محاذ

کے سپہ سالار نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ دُشمن سخت مزاحمت دے رہا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ کل صبح حملہ کرنے سے پہلے دُشمن کو **اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دو یعنی اسلام قبول کر لیں**۔ اگر وہ اس دعوت کو ردّ کر دے تو پھر اللہ رَبّ العزت کے بھروسے پر حملہ کر دو، انشاء اللہ العزیز فتح تمہاری ہوگی۔ دُشمن نے قبولِ اسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مسلم فوج نے بھرپور حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اس واقعہ کا تجزیہ یہ ہے کہ **سپہ سالارِ اعظم** (یعنی سپریم کمانڈر، سربراہِ ریاست) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متقی اور زیرک شخصیت نے بھانپ لیا تھا کہ اس محاذ پر مؤمنین کے ایمان میں کمزوری آ گئی ہے۔ یا تو وہ غلطی سے وسائل پر بھروسہ کر رہے ہیں یا پھر دُشمن کو کمزور سمجھ کر تکبّر میں آ گئے ہیں (جیسے جنگ حنین میں ہوا) یا مالِ غنیمت کا لالچ دِل میں بیٹھ گیا ہے (جیسے جنگ اُحُد میں ہوا)۔ یہ اَور کئی دوسری وجوہات کی بنا پر مؤمنین کا ایمان لاشعوری طور پر **اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر دُنیا پر مرکوز ہو گیا تھا**، اس لئے وہ کامیاب نہیں ہو رہے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو گئے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤمنین کے ایمان کو تازہ کرنے کی ہدایت بھیجی کہ سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور جنگ ہم اللہ تعالیٰ کے **کلمہ کو بلند کرنے کیلئے کر رہے ہیں**، اسلئے آپ لوگ سب سے پہلے دُنیا کا خیال دِل سے نکال کر دُشمن کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں تا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی حجت قائم ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ''**میں مؤمنین کا مددگار ہوں**'' ''**وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝**'' (الروم ۳۰، آیت ۴۷) ترجمہ ''مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمّہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اَور جگہ فرماتا ہے، ''**وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۴) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کی بات سچی ہی ہوتی ہے اور اسکی رہنمائی بھی سیدھے راستے کی طرف ہی ہوتی ہے''۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ

جب اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہے تو یہ آیات مبارکہ بھی سو فیصدی اللہ تعالیٰ کی سچائی کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اگر ایران میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہم ذِکر کر چکے ہیں، ایک محاذ پر کامیابی نہیں ہو رہی تھی تو اس سے بالکل واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس فوج کے ایمان میں کمی آ گئی تھی اور دُنیا کے خیال نے انکو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی دُور ہوگئی۔ پھر ان پر شیطان غالب آ گیا اور وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصیحت کے مطابق فوج نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا اور اپنے ایمان کو تازہ کیا کہ ہماری جنگ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے تو اللہ تعالیٰ نے انکی مدد فرمائی اور وہ جنگ جیت گئے۔

**میدانِ جنگ میں آپکا رویّہ وہی ہوگا جو آپکی فوجی تربیت میں روز کا رویّہ ہوتا ہے۔** اگر ایک فوجی کی روزانہ ٹریننگ کرائی جائے کہ **ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا ہے** خواہ ہمیں تنخواہ ملے یا نہ ملے تو پھر اسکو یہ سبق میدانِ جنگ میں بھی یاد رَہے گا۔ اگر اسکے برعکس وہ ہمیشہ اپنی ذات (یعنی دُنیا) کے متعلق ہی سوچتا ہے تو جنگ کے موقع پر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنی ذات کا ہی سوچے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے گا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اَور چیز پر بھروسہ رَکھو گے تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کیلئے فرشتے نہیں بھیجے گا بلکہ پھر شیطان آ موجود ہوگا۔ شیطان تو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ بندے کا دِل ذرا بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہو تو میں وسوسے پیدا کروں اور بندے کو اللہ تعالیٰ سے دُور کر دوں۔

یاد رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ابلیس ایک شیطان اسکے ساتھ لگا دیتا ہے جسکی ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ جب بھی اسکو موقع ملے، وہ بندے سے غلطیاں کرواتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اسکو غافل کرتا رہے۔

شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے سب سے مؤثر ہتھیار اللہ تعالیٰ کا ذِکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذِکر زبان سے..... دِل کی توجہ سے..... عمل کے ثبوت سے..... ایسے نتائج پیدا کرتا ہے کہ آدمی دَنگ رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۴۱) ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو''۔ ایک دوسری جگہ فرمایا، ''**فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝**'' (البقرۃ ۲،

آیت ۱۵۲) ترجمہ ''مجھے یاد رکھا کرو (ہر قدم پر، ہر لمحہ) تو میں بھی تمہیں ہر لمحہ یاد رکھا کروں گا اور میری شکر گزاری (یعنی میری نعمتوں کی) کرتے رہا کرو اور میری عنایات کی ناشکری نہ کیا کرو''۔ ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۴۵) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہنا زبان، دِل اور عمل سے اور ہر موقع پر یاد رکھنا بہت ہی عظیم چیز ہے''۔ جب اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کائنات میں کوئی دوسری ہستی ہے ہی نہیں تو اسکی یاد اپنے دِل میں بٹھا لینا اتنی بڑی بات ہے کہ انسان کو کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ عطا فرما سکتا ہے اور وہ عطا فرماتا ہے۔ **اگر ہماری انتظامیہ فوج کے سپاہی میں اللہ تعالیٰ کی یہ یاد پکی کرا دے** تو وہ اس وقت بھی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے **ایمانی جذبے** کے قریب پہنچ سکتا ہے اور **ہماری عسکری قوت دُنیا کے تمام ممالک سے زیادہ طاقتور ہو سکتی ہے** کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عسکری قوت کو وسائل اور نفری تعداد پر نہیں رَکھا بلکہ ایمانی جذبے پر رَکھا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، '' يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ ''(الانفال ۸، آیت ۶۵) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اسلئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رَکھتے''۔

یہاں ذرا غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ نے نہ فوج کی تعداد کا ذِکر کیا، نہ وسائل کا بلکہ **کامرانی** اور **ناکامی** کی بنیاد **قوتِ ایمانی** پر رَکھی ہے بلکہ ایک اَور جگہ بھی آتا ہے کہ ''قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ط قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ لا كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً م بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ''(البقرۃ ۲، آیت ۲۴۹) ترجمہ ''(بنی اسرائیل کی فوج) نے اپنے (کمانڈر انچیف) حضرت طالوت سے کہا کہ ہم میں تو جالوت کی فوجوں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو یقینی جانتے تھے، (یعنی

آخرت) کہنے لگے کہ (تاریخ انسانی) میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایک چھوٹی فوج نے بڑی فوج کو شکست دے دی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ صبر کرنے (یعنی ثابت قدم رہنے) **والوں کی مدد فرماتا ہے**''۔

ملکی دفاع کا دوسرا اہم جزو اللہ تعالیٰ کے زمینی قانون کے مطابق فوج کا اپنی استطاعت کے مطابق افرادی قوت کا جمع کرنا ہے اور انکو لڑائی کی پروفیشنل تربیت دینا اَزبَس ضروری ہے اور اگر ممکن ہو تو جیسے حضرت طالوت نے ایک دَریا پر فوج کا امتحان لے کر اچھے فوجیوں کی سلیکشن (چناؤ) کی، اسی طرح آج بھی معاشرے میں ان لوگوں کو جنکا رُجحان اللہ تعالیٰ کے راستے میں ملکی دفاع کی طرف زیادہ ہوتا ہے، فوج میں شامل ہونے کا موقع دینا چاہیے۔

فوج کا تیسرا اہم جزو جنگی ساز و سامان کا حاصل کرنا ہے۔ موجودہ زمانے میں سائنسی ترقی بہت ہی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے دفاع کیلئے ایک بہترین ہتھیار حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی یعنی ایٹمی ٹیکنالوجی لیکن اسکے علاوہ باقی سب دوسرے ہتھیار گو ہم نے بنانے تو شروع کر دیئے ہیں لیکن ابھی تک خود کفیل نہیں ہوئے بلکہ دوسرے ملکوں پر انحصار کیا ہوا ہے۔ ان میں ایئر فورس ایک ایسا محکمہ ہے جس کیلئے لڑاکے طیارے بنانے کی صلاحیت ہم نے پیدا نہیں کی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہمارے سائنس دان دُنیا کے بہترین سائنس دانوں میں سے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ لیکن **جتنے وہ بہتر ہیں، اتنی ہی ہماری سیاسی قیادت بدتر ہے** جسکی وجہ سے صحیح قسم کے سائنس دانوں کو جنگی آلات بنانے کیلئے نہ تو تلاش کیا جاتا ہے اور نہ ہی انکو فنڈز مہیا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے فنڈز جو کہ عوام کی کمائی سے حاصل ہوتے ہیں، وہ تو اسلام آباد کے محلّات میں کرپشن کی نظر ہو جاتے ہیں۔

ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا دُشمن ہم سے کئی گنا بڑا ہے۔ اسکے علاوہ کئی ایسے دُشمن بھی ہیں جو دوستی کے لبادے میں پاکستان کے خلاف کام کر رہے ہیں جن کو ہم خوب جانتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو ہم نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

ایسے حالات کو مدِّنظر رَکھتے ہوئے ملکی دفاع ترجیحات میں نمبر ایک پر آنا چاہیے۔

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۳۴**: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۴۳۶)

**ترجمہ** : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میرے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو گالی مت دو۔ اگر تم میں سے کوئی اُحُد کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے ایک سیر بھر یا آدھے سیر کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

**نوٹ**: اس حدیث مبارکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت واضح ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مقام بہت بلند ہے۔ ہمیں ان پر کسی طرح بھی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چل کر ہم اپنی دُنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سچ بولنے والے تھے۔ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فہم پیدا کرنے کیلئے ہر وقت تعلیم میں مصروف رہتے تھے اور اِسلامی احکامات پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ وہ سفارش، رشوت اور وقت کی مصلحت سے عدل کا پیرہن چاک نہیں کرتے تھے۔ وہ دولت کے پیچھے نہیں بھاگتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہر وقت جان دینے کیلئے تیار رہتے تھے۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں فرمایا

یہ غازی یہ تیرے پُر اِسرار بندے ..... جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم انکی ٹھوکر سے صحرا و دریا ..... سمٹ کر پہاڑ انکی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن ..... نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

آج ہمارا مطلوب ومقصود کیا ہے؟ جائز و ناجائز دولت کا اکٹھا کرنا، جھوٹی عزتوں کے پیچھے بھاگنا، ہر قانون کو بالائے طاق رَکھ کر اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا اور ہر طرح کی کرپشن میں دِن رات ملوّث رہنا۔ کیا اس رویّے سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال قبول ہوسکتا ہے؟ قابیل نے بھی تو قربانی دی تھی۔ کیا اس کی قربانی قبول ہوگئی تھی؟

ہم نے دُنیا کو مقصود بنایا ہوا ہے اور آخرت کو بھول چکے ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر ذِلّت مسلّط کی ہوئی ہے جس سے نکلنے کا راستہ ابھی تک نظر نہیں آتا۔

یا اللہ تعالیٰ! ہمیں معاف فرما، ہمیں ہدایت کی روشنی دِکھا، ہمیں دُشمنوں کے خلاف ثابت قدم رَکھ اور ہمیں دُنیا و آخرت کی عزت بخش۔ ''رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْلَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝'' (بقرۃ ۲، آیت ۲۸۶) ترجمہ ''اے ہمارے رَبّ! ہم پر اتنا بار (ذمّہ داریاں) نہ ڈال جسکو اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم سے دَرگزر کر اور ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحمت کر۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے اور تو ہی کافر (غیر مسلم) قوموں کے خلاف ہماری مدد فرمانے والا ہے''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۵:** عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَیْتُ فِیْ الْمَنَامِ اَنِّیْ اَنْزِعُ بِدَلْوِ بَکْرَۃٍ عَلٰی قَلِیْبٍ فَجَآءَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَنْہُ فَنَزَعَ ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ نَزْعًا ضَعِیْفًا وَاللّٰہِ یَغْفِرُ لَہٗ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَنْہُ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ اَرَعَبْقَرِیًّا یَفْرِیْ فَرِیَّہٗ حَتّٰی رَوِیَ النَّاسُ وَضَرَبُوْا بِعَطَنٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۴۴۵)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں ایک کنویں پر ڈول سے پانی نکال رہا ہوں۔ پھر (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے اور انہوں نے ایک یا دو ڈول کمزوری سے نکالے، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ پھر (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے تو ڈول بہت بڑا ہو گیا۔ میں نے کسی قوی تر شخص کو نہیں پایا جو (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرح ڈول نکالتا ہو حتیٰ کہ لوگ سیراب ہو گئے اور آرام سے بیٹھ گئے'' یعنی اَمن غالب آ گیا

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خواب مبارک میں اشارہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ حکومت میں اِسلام دُور دراز تک پھیل جائے گا اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد ایمان لے آئے گی۔ دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اس زمانے میں عدل ایسا ہوگا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرِ نگیں علاقوں میں اَمن وامان غالب ہوگا یعنی لوگ سکون سے رہیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عدل مشہور ہے۔ عدل ہی ایک ایسی اکائی ہے جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ عدل اَمن کو قائم کرتا ہے۔ اَمن سے ہر کاروبار ترقی پذیر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ظلم ملک میں انتشار پیدا کرتا ہے۔ انتشار ہر قسم کی تجارت کو تباہ کر ڈالتا ہے جسکا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے آج کل کر رہے ہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اَمن کا قیام طرزِ

حکمرانی پر ہے۔ اگر حکمران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح عدل کو قائم کرے گا تو لازمی بات ہے کہ ملک میں اَمن پیدا ہو جائے گا اور ہر طرح سے ترقی ہو گی۔ لوگ آرام اور سکون سے رہیں گے۔

ہمارے ہاں جو طرزِ حکمرانی ساٹھ سال سے چلتا آ رہا ہے، اس میں دانستہ طور پر عدل کو ختم کیا جاتا ہے جس سے ملک میں انتشار اور بداَمنی بڑھتی جا رہی ہے جس سے ہماری تجارت اور ملکی ترقی رُو بہ تنزّل ہے۔ اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں لوڈ شیڈنگ چوبیس (۲۴) گھنٹوں میں صرف ایک (۱) گھنٹہ ہوتی تھی اور اَب چوبیس (۲۴) گھنٹوں میں بارہ (۱۲) تا اٹھارہ (۱۸) گھنٹے ہوتی ہے، اسکے باوجود ہمارے حکمران احساسِ زیاں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں بجلی ملکی معیشت کیلئے ریڑھ کی ہڈی رَکھتی ہے اور پوری قومی زندگی کی بقا اس پر منحصر ہے۔ لوڈ شیڈنگ سے تمام انڈسٹری چھوٹی، درمیانی (میڈیم) اور بڑی جام ہو کر رہ جاتی ہے۔ زراعت، چھوٹے کاروبار، ہسپتال، جنرل ایڈمنسٹریشن کی کارکردگی دَس (۱۰) فیصد سے بھی نیچے چلی جاتی ہے لیکن حکمران لوڈ شیڈنگ کو ختم کرنے کیلئے انرجی جنریشن کے نئے منصوبوں پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے۔ لگتا یوں ہے کہ ہمارا حکمران ہمارے دُشمنوں کے منصوبوں پر عمل کر رہا ہے کہ ہمیں معاشی طور پر مفلوج کر دے اور ہماری قومی زندگی کی جدوجہد کو اس درجہ سست کر دے کہ ہمارے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جائے، آزادی کو برقرار رَکھنا تو بعد کی بات ہے۔ ایسا طرزِ عمل محبّ وطن کا نہیں ہو سکتا۔ ہماری صفوں میں بے شمار جعفر موجود ہیں۔

عام معاشی حالت غربت کی سطح سے بھی کافی نیچے جا چکی ہے لیکن کسی سیاسی پارٹی کو ہوش نہیں ہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

آج کل ہمیں ایسے شخص کی تلاش ہے جو خود عمل اپنی ذات سے شروع کرے تا کہ لوگوں کیلئے وہ مثال بنے تو پھر ہی ممکن ہے کہ عدل اور اَمن قائم ہو اور ملکی معیشت ترقی پذیر ہو۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ تو دوبارہ آنے سے رہے، اَب ایسی ہستیوں کو ہم نے اپنے میں سے ہی تلاش کرنا ہے۔ ایسے لوگ اب بھی موجود ضرور ہیں لیکن زمانے کے تیور دیکھ کر سماجی اور سیاسی جدوجہد میں حصّہ لینے سے گریز کر رہے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۶:** عَنْ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ارْقُبُوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۵۰۵)

**ترجمہ** : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رَضامندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں پوشیدہ جانو''۔

**نوٹ:** یاد رکھیے کہ اہل بیت کا احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۷:** عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ شَقِیْقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا خَبَّاب'' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ ھَاجَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَبْتَغِیْ وَجْہَ اللّٰہِ وَوَجَبَ اَجْرُنَا عَلَی اللّٰہِ فَمِنَّا مَنْ مَضٰی لَمْ یَاْکُلْ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا مِنْھُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قُتِلَ یَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ شَیْئًا نُکَفِّنُہٗ فِیْہِ اِلَّا نَمِرَۃً کُنَّا اِذَا غَطَّیْنَا بِھَا رَاسَہٗ خَرَجَتْ رِجْلَاہُ فَاِذَا غَطَّیْنَا رِجْلَیْہِ خَرَجَ رَاسُہٗ فَاَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ نُغَطِّیَ رَاسَہٗ بِھَا وَنَجْعَلَ عَلٰی رِجْلَیْہِ اِذْخِرًا وَمِنَّا مَنْ اَیْنَعَتْ لَہٗ ثَمْرَتُہٗ فَھُوَ یَھْدُبُھَا۔ (تفہیم البخاری، جلد پنجم، حدیث ۳۶۶۵)

**ترجمہ :** حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اس حال میں ہجرت کی کہ ہم اللہ جل جلالہٗ کی رَضا کے طالب تھے، ہمارا ثواب اللہ جل جلالہٗ کے ذمہ ہوگیا۔ ہم میں سے بعض تو فوت ہوگئے اور اپنے اَجر سے کچھ نہ کھایا اور ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو اُحُد کی جنگ میں شہید ہوگئے۔ ہم نے ان کیلئے کوئی شئے نہ پائی جس میں انہیں کفن دیں، صرف ایک کمبل تھا۔ جب ہم اسکے ساتھ انکا سر ڈھانپتے تھے تو ان کے پاؤں باہر نکل جاتے تھے۔ جب پاؤں ڈھانپتے تھے تو انکا سر کھل جاتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم اس سے انکا سر ڈھانپیں اور انکے پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔ ہم میں سے بعض کا پھل پکا اور وہ اسے کھا رہا ہے۔

**نوٹ:** وسائل اتنے قلیل تھے کہ کفن کیلئے کپڑا بھی نہیں مل رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر ریاست مدینہ منورہ کے دفاع کیلئے قوم یک جان ہوکر سیسہ پلائی دیوار بنی ہوئی تھی اور اپنے سے تین (۳) گنا فوج سے مقابلہ کرنے میں ذرا بھی

ہچکچاہٹ سے کام نہیں لے رَہی تھی۔اس قوم کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ بیان کی ہوئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے خلاف بہت لوگ جمع ہو رہے ہیں تو ان کا ایمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔قرآن کریم کی پوری آیت مبارکہ یہ ہے، ''اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ق صلے وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ○''(آلِ عمران۳، آیت۱۷۳) ترجمہ''یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑی فوج اکٹھی کر لی ہے، ان سے ڈرو لیکن اس نے ان کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے **اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے**''۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اسی **ایمانی قوت** کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اَور جگہ بھی یوں فرمایا،''وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ○''(الاحزاب۳۳، آیت۲۲) ترجمہ''اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے، یہی وہ موقع ہے جس کی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا **اور اس سے ان کے ایمان و اطاعت میں مزید ترقی ہوئی**'' برعکس اس کے کہ وہ اتنی بڑی فوج سے مرعوب ہوتے اور خوف کھاتے۔

**جرأت مند قوم کا یہی وصف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتی ہے اور جب وقت آتا ہے تو وسائل کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہی اعتماد رَکھتی ہے کیونکہ اسکا معمولِ زندگی ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا رہتی ہے**۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایمانی قوت

کی وجہ سے باوجود وسائل کی قلّت کے ہمیشہ کامیاب رہے جیسے علامہ اقبال نے فرمایا،

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہمارا ایمان انتہائی نچلے درجے کی سطح پر آ گیا ہے لہٰذا ہمارا بھروسہ (اعتماد) **اللہ تعالیٰ پر کم اور وسائل پر زیادہ ہوتا ہے**۔ یہ حدیث شریف ہمیں سبق دیتی ہے کہ اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

ہر کام میں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ تعالیٰ پر اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکّل (اعتماد) ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے توکّل کے ساتھ اگر کسی اَور چیز پر بھروسے کا اِرادہ بن گیا تو وہ شرک ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں فرماتا جس سے ہم خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کو ہم سے روک لیتا ہے۔ وسائل کا اختیار کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ اس زمین کی زندگی پر اللہ تعالیٰ کا ایک **مستقل قانون** ہے لیکن بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''میں انکی مدد نہیں کرتا جو اپنی مدد نہیں کرتے''۔ قرآن کریم کی مکمل آیت مبارکہ یہ ہے، ''**لَـــهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝**'' (الرعد۱۳، آیت۱۱)

ترجمہ ''ہر ایک کے لیے فرشتے ہیں، آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنی حالت نہ بدلے، اللہ تعالیٰ اسکی حالت نہیں بدلتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کر لے تو اسکے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکا مددگار نہیں ہوتا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''**تقدیر کو حاصل کرنے کیلئے بھرپور کوشش کرو**'' (ترجمان السنۃ از بدرِ عالم)

ہر کام میں انسان کو اپنی استطاعت کے مطابق پوری ہمت کرنی چاہیے لیکن اسکے نتائج کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اپنی حکمت سے آپکی کوشش کو قبول کر کے اچھے نتائج پیدا کر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپکی کوشش میں خامیاں ہی اتنی ہوں کہ وہ قابلِ قبول ہی نہ ہو اور نتائج آپکے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔

ہابیل اور قابیل نے جب قربانیاں دیں تو اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی تو قبول فرمالی لیکن قابیل کی قربانی قبول نہیں فرمائی۔

ہر روز، ہر لمحہ اپنے دِل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے رہیں، اس طرح آپکی توجہ بتدریج اللہ تعالیٰ کی طرف مرکوز ہو جائے گی۔ اس طرح ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر توکّل اور اعتماد رَکھنے کی عادت پڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے آپکے مددگار بن جائیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۳۸:** عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ شَھِدْتُّ مِنَ الْمِقْدَادِ ابْنِ الْاَسْوَدِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَشْھَدًا لَاَنْ اَکُوْنَ صَاحِبَہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا عُدِلَ بِہٖ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَدْعُوْ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ لَانَقُوْل کَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا وَلٰکِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَبَیْنَ یَدَیْکَ وَخَلْفَکَ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَشْرَقَ وَجْھُہٗ وَسَرَّہٗ یَعْنِیْ قَوْلُہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۷۰۰)

**ترجمہ:** حضرت طارق بن شہاب نے کہا، میں نے حضرت ابن مسعود کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت مقداد بن اسود سے ایسی چیز دیکھی کہ میرا اسے حاصل کر لینا دُنیا کی ہر نعمت سے زیادہ محبوب ہے (وہ یہ کہ) وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اس وقت آئے جبکہ آپ مشرکوں سے جنگ کیلئے مسلمانوں کو بلا رہے تھے۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رَبّ جاؤ اور جنگ کرو لیکن ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے جنگ کریں گے۔ اس وقت میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور اسکی بات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خوش کر دیا۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ کا نظام (دِین) بہت ہی محنت طلب ہے۔ خون پسینہ ایک کئے بغیر اسکا نافذ ہونا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں عدل اَمن کی ضمانت دیتا ہے۔ اسکے بغیر ظلم، بداَمنی اور ذِلّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

راستے میں جنگ عدل کو قائم کرنے کیلئے ہوتی ہے کیونکہ اس جنگ کے نتیجے میں دُنیا پر اللہ تعالیٰ کا نظام قائم کرنا ہوتا ہے۔ یہی واحد نظام ہے جس سے عدل قائم ہوسکتا ہے اور دُنیا میں اَمن آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے کے سوا کسی اَور غرض کیلئے جنگی کارروائی کرنا شیطانی عمل ہے۔ اس سے اَمن قائم ہونے کے بجائے فساد برپا ہوتا ہے اور ظالم کا ہاتھ غالب آ جاتا ہے۔ یوا ین او کی مثال آپکے سامنے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بزدلی دکھائی تو اللہ رَبّ العزت نے فرمایا، ''قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝'' (المآئدہ۵، آیت۲۶) ترجمہ ''یہ زمین (فلسطین) تمہارے لیے چالیس سال تک ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ جاؤ اب تم زمین میں بھٹکتے پھرتے رہو اور تم اے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام)! نافرمان قوم پر غم نہ کرو''۔

**یہ ہماری واضح کم ہمتی کا نتیجہ ہے کہ کشمیر پر دُشمن کا قبضہ بدستور مضبوط ہاتھوں میں ہے۔**

ذرا غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اعلانیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے اور جانیں قربان کرنے کے لیے پورے خلوص اور جذبے کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد دُشمن سے جہاں بھی مقابلہ ہوا، دُشمن نے منہ کی کھائی اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ **قرونِ اولیٰ کے زمانے کا یہ رُعب اور دَبدبہ ایک مدتِ دراز تک دُشمنوں پر چھایا رہا۔**

اپنا رُعب اور دَبدبہ رَکھنے کیلئے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا دیا ہے کہ ''تمہارا رُعب دُشمنوں پر بدستور قائم رہنا چاہیے'' جسکا مقصد دَراصل یہ ہے کہ وہ آپکے دِین، ملک اور قوم کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ قرآن کریم کی پوری آیت یہ ہے، ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ''(آلِ عمران۳، آیت۲۰۰)
ترجمہ ''اے ایمان والو! صبر اختیار کرو اور ثابت قدم رَہو اور مقابلہ کیلئے ہر وقت اپنے آپکو تیار رَکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈَرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈَرو کہ اگر تم نے ہماری اس نصیحت پر عمل نہیں کیا کہ تم نے ہر وقت اپنے آپکو دفاع کیلئے بھرپور تیار رَکھنا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا اور تم پر دُشمن غالب آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اَور جگہ فرمایا، ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ ''(الانفال۸، آیت۶۰)
ترجمہ ''اور ان سے مقابلہ کیلئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے، سامانِ جنگ تیار رکھو بذریعہ قوت (اسلحہء جنگ) اور تیار بندھے ہوئے گھوڑوں سے جنکے ذریعے تم اپنا رُعب اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دُشمنوں پر ڈالے رَکھ سکتے ہو اور ان لوگوں پر بھی جو تمہارے دُشمن ہیں اور تمہیں انکا علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ انکو جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ تعالیٰ کی راہ (دفاع) میں خرچ کرو گے، اسکا اَجر تمہیں پورا پورا عطا فرما دے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا'' (یعنی تمہارا اَجر کم نہیں کیا جائے گا)۔

اَب ذرا آپ غور کریں کہ ہم نے ساٹھ (۶۰) سالوں میں کشمیر کو یو این او (UNO) کی قراردادوں کے مطابق جن کی رُو سے کشمیر میں آزادانہ رائے شماری کا وعدہ کیا گیا تھا، حاصل کرنے کے لیے کتنی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے سیاسی اور غیر سیاسی حکمران اپنے ذاتی لڑائی جھگڑوں اور ذاتی مفادات کے پیچھے اتنے اندھے رَہے ہیں اور ابھی تک ہیں کہ انہیں نہ اپنا حق لینے کی ہوش ہے، نہ دِین کی فکر ہے اور نہ ملک وقوم کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ساٹھ (۶۰) سالوں میں ہم اپنے مسئلہء کشمیر کو تقریباً بھول چکے ہیں۔

موجودہ زمانے میں چونکہ ہم کم ہمت اور جذبے سے خالی ہو چکے ہیں، اسلئے دُشمن پر ہمارا رُعب اور دبدبہ غائب ہو چکا ہے۔ نتیجتاً آج کل دُشمن ایک ایک مسلمان ملک کو تنگ کرتا جا رہا ہے۔ قتل وغارت اور لوٹ مار کرنا اور بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اُڑانا،

اسکا معمول بن چکا ہے۔ بین الاقوامی تنظیم جو دُنیا میں اَمن قائم کرنے کیلئے بنی تھی، آج وہی تنظیم دُنیا میں قتل وغارت، لوٹ مار اور ظلم واستبداد کی لیڈر بنی ہوئی ہے۔

**اگر ہم نے عقل سے کام نہ لیا تو ہم بھی شکار ہو سکتے ہیں۔**

قرآن کریم نے ہمیں قیامت تک **متنبّہ** کر دیا ہے کہ اگر تم دُشمن کی چالوں کو نہیں بھانپو گے اور دِفاعی طور پر اپنے آپ کو مضبوط نہیں کرو گے تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے، ''**وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ط وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَا لُ ○**'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۴۶) ترجمہ ''وہ یعنی دُشمن نے سخت چالیں چلیں اور ان کی یہ چالیں اللہ رَبّ العزت کے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں اور وہ ایسی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں''۔

**کافرین کا یہ رویہّ مسلمانوں کے ساتھ قیامت تک یہی رَہے گا۔** قرآن کریم نے ایک اَور جگہ فرمایا ہے کہ ''**کافرین تمہارے کبھی خیر خواہ نہیں بن سکتے**''۔ پوری آیت یوں ہے، ''**مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○**'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۰۵) ترجمہ ''کافر یعنی اہل کتاب (یہود اور نصاریٰ) اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی خیر نازل ہو تمہارے رَبّ تعالیٰ کی طرف سے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کیلئے جسے چاہتا ہے، مخصوص کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل والا ہے''۔ یہ آیت کریمہ واضح پیغام دے رہی ہے کہ غیر مسلموں کو **مسلمان ممالک کی ترقی پسند نہیں آتی**۔ اس وقت بین الاقوامی سیاسی صورتحال یہ ہے کہ جو مسلمان سائنسی ترقی پر زور دے رہا ہے، اسکو کئی بہانوں سے تنگ کیا جاتا ہے لیکن ہمیں یاد رَکھنا چاہیے کہ اگر ہم صبر کرتے رہے اور اپنے منصوبوں پر ثابت قدمی سے قائم رہے تو بالآخر **غلبہ انہی کا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں** لہٰذا سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ ہمیں انفرادی اور ملّی طور پر **اللہ تعالیٰ کے بندے بننے کی کوشش** کرنی چاہیے اور اس حدیث شریف میں

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عزم کو اپنے سینے میں اس طرح اُتار لینا چاہیے جیسے انہوں نے عملی طور پر کر دِکھایا۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے، ''**وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○**'' (الروم ۳۰، آیت ۴۷) ترجمہ ''مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمّہ ہے''۔ کیا آپکو اس میں شک ہے؟ اگر شک ہے تو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کریں، ''**وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ○**'' (النساء ۴، آیت ۸۷) ترجمہ ''اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے''۔ اگر آپکو اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین ہے تو پھر **آپ مؤمن کیوں نہیں بنتے**؟ کہ اپنی زندگی کا مقصد دُنیا کے بجائے **اللہ تعالیٰ کی رَضا** کو بنائیں تو پھر ہمارے وسائل خواہ کتنے ہی کم ہوں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا اور کیا آپ بھول گئے ہیں کہ **اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے**۔ جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، کامیاب وہی ہوگا۔ میں مانتا ہوں کہ مؤمن بننا آسان نہیں ہے لیکن یاد رَکھیے کہ دُنیا اور آخرت کی عزت بیٹھے بٹھائے نہیں ملتی۔

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۳۹:** عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَمِعَ اَبَامَسْعُوْدِ الْبَدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ نَفَقَۃُ الرَّجُلِ عَلٰی اَھْلِہٖ صَدَقَۃٌ''۔(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۷۵۵)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مرد کیلئے اپنے اہل پر خرچ کرنا صدقہ ہے''۔

**نوٹ:** اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا مرد کا ذمّہ ہے۔ اگر اس فرض کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کیا جائے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں اَجر کا موجب بنے گا۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ ترتیب رکھی ہے، ''یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ'' ○ ''(البقرہ۲، آیت ۲۱۵) ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال بھی خرچ کرنا چاہو (وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور جو بھلائی تم کرو گے، اللہ تعالیٰ اسکو جانتا ہے''۔

ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے، ''وَاعْبُدُوْا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ لا وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ○ ''(النساء۴، آیت ۳۶) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اور حسن سلوک اختیار کرو والدین کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی اور غیر رشتہ دار پڑوسی، پہلو کے ساتھی اور مسافر

کے ساتھ اور جو تمہاری مِلک میں (غلام، لونڈی) ہیں، انکے ساتھ۔ قطعاً اللہ تعالیٰ ایسوں کو دوست نہیں رَکھتا جو اپنے آپ میں مغرور ہوں اور اپنی بڑائی پر فخر کریں''۔

قرآن کریم کی ان دو (۲) آیات مبارکہ میں مالی اور غیر مالی احسان کرنے کیلئے مندرجہ ذیل ترتیب ملتی ہے

(۱) والدین
(۲) رشتہ دار، قریبی اور دُور کے
(۳) یتیم
(۴) محتاج اور مسکین
(۵) پڑوسی رشتہ دار
(۶) پڑوسی غیر رشتہ دار
(۷) پہلو کا ساتھی (مجلس میں، سفر میں، کلاس میں وغیرہ وغیرہ)
(۸) مسافر
(۹) غلام اور لونڈی

رشتہ دار پر خرچ کرنے کے دو (۲) ثواب ملتے ہیں، ایک رشتہ داری کو قائم رَکھنے کا ثواب یعنی صلہ رحمی اور دوسرا اس سے حسنِ سلوک کرنے کا ثواب (مالی اور غیر مالی)۔

مالی اِمداد کے متعلق یہ یاد رَکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حلال کمائی کو ہی قبول فرماتا ہے اور خرچ کے معاملے میں رِیا اور اِسراف کو ناپسند فرماتا ہے۔ خرچ کرنے کے بعد اس شخص پر کوئی ظلم کرنا یا اس سے بدلے میں بہتر برتاؤ چاہنا یا کوئی مزدوری لینے کی اُمید رَکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۰:** عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ الْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ مَنْ قَرَأَھُمَا فِیْ لَیْلَۃٍ کَفَتَاہُ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۷۵۷)

**ترجمہ:** حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سورۂ بقرہ کی دو (۲) آخری آیات ہیں۔ جو کوئی انہیں رات کو پڑھے، وہ اس کیلئے کافی ہیں''۔

**نوٹ:** حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیتیں نازل کر کے سورۂ بقرہ کو ختم کیا گیا۔ اگر یہ آیتیں کسی گھر میں تین رات تک پڑھی جائیں تو شیطان اسکے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ (ترمذی، حدیث ۲۶۸۰)

صحیح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ تہجد کی عادت ڈالیں اور اس میں سورۂ بقرۃ کی آخری دو (۲) آیتیں ضرور تلاوت کریں، اسکی بڑی برکات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تجدید ہے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کا بہترین طریقہ ہے۔ دُشمنانِ اِسلام اور منافقین پر غالب آنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی دُعا ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدد کا ذمّہ لے لیا ہے، ''وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○'' (الروم ۳۰، آیت ۴۷) ترجمہ ''مؤمنین کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے''۔

سورۂ بقرۃ کی آخری دو (۲) آیات مبارکہ یہ ہیں، ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط کُلٌّ'' اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاق غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ○ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ

نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَه‘ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَعْفُ عَنَّاوقفة وَاغْفِرْلَنَاوقفة وَارْحَمْنَاوقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ‘‘(بقرۃ۲،آیت۲۸۵-۲۸۶)ترجمہ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس ہدایت پر ایمان لائے ہیں جو انکے رَبّ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماننے والے ہیں، انہوں نے بھی اس ہدایت کو دِل سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں کو مانتے ہیں اور انکا قول یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں ایک دوسرے میں فرق نہیں کرتے۔ ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ اے ہمارے مالک! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اسکی ہمت سے بڑھ کر ذمّہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اسکا پھل اسی کیلئے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اسکا وبال اسی پر ہے۔ (ایمان لانے والو! تم یوں دُعا کیا کرو) اے ہمارے رَبّ! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رَکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے دَرگزر فرما، ہم پر رَحم کر۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر‘‘۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۱:** عَنْ حُمَیْدٍ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلَی الْخَنْدَقِ فَاِذَا الْمُھَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ یَحْفِرُوْنَ فِیْ غَدَاۃٍ بَارِدَۃٍ وَلَمْ لَکُنْ لَّھُمْ عَبِیْدٌ یَعْمَلُوْنَ ذٰلِکَ لَھُمْ فَلَمَّا رَاٰی مَابِھِمْ مِنَ النَّصَبِ وَالْجُوْعِ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھٰجِرَۃِ فَقَالُوْا مُجِیْبِیْنَ لَہٗ نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلٰی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۸۳۸)

**ترجمہ:** حضرت حمید نے روایت فرمائی کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خندق کی طرف تشریف لائے جبکہ مہاجرین وانصار سردی میں صبح کے وقت خندق کی کھدائی کر رہے تھے کیونکہ انکے غلام نہ تھے جو خندق کھودتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مشقت اور بھوک دیکھی تو فرمایا، ''اے اللہ تعالیٰ! زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔ انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما''۔ انہوں نے اسکے جواب میں کہا۔ ''ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے''۔

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ انتہائی معاشی تنگدستی کا زمانہ تھا۔ وسائل کی شدید قلت تھی لیکن حوصلے بہت بلند تھے اور اللہ تعالیٰ پر یقین محکم اور اسکے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت میں قوم کے افراد پوری طرح عمل پیرا تھے۔ کم ہمتی، سہل انگیزی، ٹال مٹول سے کام لینا، آج کے کام کو کل تک ٹالتے رہنا، یہ اس زمانے کا رواج نہیں تھا بلکہ یہ ہمارے زمانے کا رواج ہے اور اسکی وجہ سے ہم ہلاکت کے دہانے تک پہنچ چکے ہیں۔ وسائل کی انتہائی کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان اور جذبے کی وجہ سے وہ ہر محاذ پر کامیاب ہو جاتے تھے۔ آج کل زمانہ یہ ہے کہ باوجود ہر قسم کے وسائل ہونے کے، چونکہ ہم میں

ایمان اور جذبے کی انتہائی کمی ہے، ہم ہر شعبے (مثلاً توانائی، گیس، جنرل ایڈمنسٹریشن، اَمنِ عامہ کے قیام، کرپشن کے کنٹرول کرنے، لوگوں کو عدل و انصاف دِلانے، غربت کم کرنے وغیرہ وغیرہ) میں ناکام ہورہے ہیں۔ دُنیا اور آخرت میں عزت کا مقام حاصل کرنے کیلئے ہمیں پھر وہی ایمان اور جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اگر تم میری طرف چل کر آؤ گے تو میں تمہاری طرف دَوڑ کر آؤں گا یعنی اگر تم تھوڑی سی کوشش ایمان اور جذبے کے ساتھ کرو گے تو میں اس سے کئی گنا زیادہ تمہاری مدد کروں گا۔

پُرخلوص کوشش خواہ کتنی ہی معمولی ہو، اللہ تعالیٰ کی مدد کو دعوت دیتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کام کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ آج کل خلوص کی کمی ہے۔ ہماری بہت بڑی اکثریت ہر کام دُنیاوی فائدے کیلئے کرتی ہے اور خلوص باللہ کو چھوڑ بیٹھی ہے حتیٰ کہ وہ کام جو خالص دِینی ہیں، ان میں بھی اپنا ذاتی فائدہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ**.....'' (المؤمن ۴۰، آیت ۱۴) ترجمہ ''سو تم لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو، اسکے دِین کے ساتھ پوری طرح مخلص ہوکر.....''۔ اپنی نیّت میں خلوص پیدا کرنا محنت طلب اور ضروری ہے۔ اگر ہر روز ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رَکھو گے اور اسکی رَضا اور ناراضی پر نگاہ ہوگی تو آپکے دِل کو بتدریج اللہ تعالیٰ کی طرف ہر کام میں متوجہ ہونے کی عادت پڑ جائے گی پھر آہستہ آہستہ آپکی یہ عادت عادۃِ ثانیہ بن جائے گی اور آپکا لگاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں اکثر اوقات منسلک رہے گا۔ اس تعلق کی وجہ سے آپ خود اپنی زندگی میں ایک وقت دیکھ لیں گے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ آپکے ساتھ اور آپکی مدد کررہا ہے۔ یہی معرفتِ الٰہی ہے جسکو حاصل کرنے کیلئے پرانے بزرگوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ جب آپکی یہ کیفیت ہوجائے گی تو آپ دیکھیں گے کہ دُشمن کی ہر چال کے خلاف آپکی چال کامیاب ہوتی جائے گی اور بالآخر آپ دُشمن پر آسانی سے غالب آجائیں گے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور اور زبردست ہے؟

''اِنَّ اللّٰـہَ لَقَوِیٌّ'' عَزِیْز'' ○ ''(الحج ۲۲، آیت ۷۴) ترجمہ ''بلاشبہ (کائنات میں) اللہ تعالیٰ ہی طاقتور اور زبردست ہے'' (اور کوئی نہیں)

پھر جب دِفاعِ وطن کا موقع آئے گا تو مجھے یقین ہے کہ آپ پورے خلوص کے ساتھ جہاد میں حصّہ لیں گے کیونکہ وطن کا دِفاع صرف اکیلی فوج ہی نہیں کیا کرتی، فوج کے دَست و بازو عوام الناس ہوتے ہیں۔ پُرخلوص جذبے سے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اعلانیہ فرمایا تھا، یہ ہم پر بھی ذِمّہ آتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بیعت کو زمانے میں آگے بڑھائیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلمے کو تمام دُنیا میں معروف کرانا اور اسکو باقی تمام کلموں پر غالب کرنا ہمارے ذِمّہ ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۲:** عَنِ الْبَرَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَنْقُلُ التُّرَابَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی اَغْمَرَ بَطْنَہ اَوْ اِغْبَرَّ بَطْنُہٗ یَقُوْلُ

وَاللّٰہِ لَوْ لَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا ❖ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَاصَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ❖ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ❖ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

وَرَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ اَبَیْنَا اَبَیْنَا

(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۸۴۳)

**ترجمہ:** حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کے دِن مٹی اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ غبار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ شریف چھپا رکھا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ شریف غبار آلود ہو گیا تھا اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، ''اگر اللہ جل شانہٗ کا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے، نہ نمازیں پڑھتے۔ (اے اللہ تعالیٰ!) ہم کو قلبی سکون عطا فرما۔ اگر ہم دُشمن کا مقابلہ کریں تو ہم کو ثابت قدم رَکھ۔ بے شک مکہ معظّمہ والوں نے ہم پر زیادتی کی ہے۔ جب کبھی انہوں نے چیلنج کیا تو ہم نے انکو شکست دی''۔

**نوٹ:** ذرا غور فرمائیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عوام الناس کے ساتھ بنفس نفیس ملکی دفاع میں پورا پورا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ کوئی امتیازی لباس، مسند یا امتیازی کھانا نہیں ہوتا تھا۔ باہر سے آنے والے شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اور لوگوں سے پوچھنا پڑتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ یہ طریقہ ہے اس لیڈر کا جس نے رُبع صدی میں ایک ایسی قوم تیار کی جس نے قلیل مدت میں آدھی دُنیا کو زیر نگیں

کیا۔ تاریخ اسلئے ہوتی ہے کہ ہم بڑے لوگوں کے روشن نقشِ قدموں پر جس حد تک ممکن ہو، پیروی کریں۔

آج کل ہمارے لیڈروں کا کیا حال ہے؟ ایک چھوٹا سا افسر بھی اپنے ایئر کنڈیشنڈ دفتر سے نکل کر اپنے ماتحت اہلکاروں کے ساتھ گرمی سے تپتے ہوئے ہال میں کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کرتا۔ خود وہ عوام الناس کے خزانے سے عیاشی کر رہا ہے اور عوام الناس کی خدمت کرنے والے اہلکار گرمی میں جل رہے ہوتے ہیں۔

عوام الناس کے کام کو ایمانداری سے اور وقت پر کرنے کا شعور تو افسر میں ہے ہی نہیں۔ ملکی دفاع صرف فوج کا ہی کام نہیں ہوتا، اس میں قوم کے تمام افراد جب تک دِل و جان سے حصّہ نہیں لیں، کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اگر آج آپ اَمن کے زمانے میں دِل و جان سے کام کرنے کی عادت نہیں ڈالتے تو کل چیلنج کے وقت بھی دِل و جان سے کام نہیں کر سکیں گے، یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے۔ عادت فطرتِ ثانیہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ**'' (الحج ۲۲، آیت ۷۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں مسلسل (یعنی ہر دَم) ایسی محنت کرتے رہو جیسے محنت کرنے کا حق ہوتا ہے۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام** نے فرمایا، ''جو کام کرو، دِل و جان سے کرو''

ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر اخبار بینی، چائے نوشی اور اپنے دوستوں سے تبادلہء خیال میں وقت گزارنے کی عادت **زندہ قوموں** کے افسران کا طریقہ نہیں ہوتا۔ زندہ قوموں کے **افسران زندہ** ہوتے ہیں۔ **زندگی حرکت کا نام ہے**۔ جو چیز زندہ نہیں، متحرک نہیں۔ مردہ نہ حرکت کرتا ہے، نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی اسکے دِل و دماغ کے خلیے حرکت کرتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ منظر عملی طور پر دیکھنا ہو تو اسلام آباد کے محلّات میں آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

**زندہ قوموں کے افسران زندہ ہوتے ہیں۔**

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۴۳:** عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ غَزَاۃٍ وَنَحْنُ سِتَّۃُ نَفَرٍ بَیْنَنَا بَعِیْر'' نَعْتَقِبُہٗ فَنَقِبَتْ اَقْدَامُنَا وَنَقِبَتْ قَدَمَایَ وَسَقَطَتْ اَظْفَارِیْ فَکُنَّا نَلُفُّ عَلَی اَرْجُلِنَا الْخِرَقَ فَسُمِّیَتْ غَزْوَۃُ ذَاتِ الرِقَاعِ لِمَا کُنَّا نُعَصِّبُ مِنَ الْخِرَقِ عَلَی اَرْجُلِنَا وَحَدَّثَ اَبُوْمُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بِھٰذَا ثُمَّ کَرِہَ ذَاکَ قَالَ مَاکُنْتُ اَصْنَعُ بِأَنْ اَذْکَرَہٗ کَاَنَّہٗ کَرِہَ اَنْ یَکُوْنَ شَیْئٌ'' مِنْ عَمِلِہٖ اَفْشَاہُ۔
(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۸۶۳)

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے اور ہم چھ (۶) افراد تھے۔ ہمارے پاس ایک ہی اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ چلتے چلتے ہم سب کے قدم زخمی ہوگئے اور میرے قدم زخمی بھی ہوئے اور ناخن بھی گر گئے۔ ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں لپیٹتے تھے (زخم ہو جانے کی وجہ سے)، اسلئے اس غزوہ کا نام ''ذاتِ رقاع'' (پٹیوں والا غزوہ) رکھا گیا (کیونکہ ہم) اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھتے تھے''۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ ہم سے بیان فرمائی پھر اسے ناپسند جانا اور کہا، ''میں یہ کس لئے ذکر کرتا ہوں؟'' گویا کہ انہوں نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ اپنے عمل سے کچھ ظاہر کریں یعنی ریا کا ڈر تھا۔

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں وسائل کی انتہائی قلت تھی لیکن انہوں نے انتہائی غربت اور بے کسی کے عالم میں اس نظام کو اپنے خون سے سیراب فرمایا جس کی دھاک چند سالوں میں پورے عالم پر بیٹھ گئی اور یہ رُعب اور دَبدبہ صدیوں تک ایسا قائم رہا کہ کسی غیر مسلم حکومت کو ان کا سامنا کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ بقول علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ''تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا'' (ترانہء ملّی، بانگ دَرا)

آج ہم ہیں کہ **بے شمار وسائل** رَکھنے کے باوجود غیر مسلم قوتیں ہم کو ایسے ہڑپ کرنے آتی ہیں گویا کہ ہم ایک **لذیذ**، **نرم غذا** ہیں۔ یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ ہمارا **رُعب**، ہمارے **ایمان کی کمی** کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رُعب سے مدد دی جو کہ ایک مہینے کی مسافت تک ہے۔ رُعب کی بنیاد قوتِ ایمانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''شیطان وہ راستہ چھوڑ جاتا ہے جس پر (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جا رہا ہوتا ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعلیٰ ایمان کی وجہ سے شیطانی قوتیں انکو دیکھتے ہیں بھاگتی تھیں۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے **ایمان** کا ہی تو نتیجہ تھا کہ ایک **دہائی** میں قیصر و کسریٰ کی دو (۲) سپر پاورز ٹکڑے ٹکڑے کر کے رَکھ دی تھیں۔

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ شریف سے باہر تھے تو انہوں نے دیکھا کہ چند لوگ ایک جگہ راستے میں کھڑے ہیں۔ جب وہ انکے قریب پہنچے تو پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ دیکھو راستے میں شیر بیٹھا ہے جس نے راستہ روک رَکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آگے بڑھ کر شیر کو کان سے پکڑ لیا اور اسکو کہا کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ اور شیر ایک طرف کو بھاگ گیا۔

یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دِل و جان سے اطاعت کرے گا، ساری مخلوق اس کے تابع ہو جائے گی۔

**ایمان کی کمزوری** کی وجہ سے ہم اپنے وسائل سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت نہیں رَکھتے۔ ملک کے ہر دفتر میں اور ہر کونے میں **بدانتظامی**، **معاشرتی** اور **معاشی انتشار**، **عوام سے ظالمانہ برتاؤ** اور **غیر عادلانہ رویہّ** آپکو ہر جگہ نظر آئے گا۔ **مالی کرپشن** ہر دفتر میں دیمک کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ دفتر میں دیر سے آنا، چائے اور اخبار پر **وقت ضائع** کرنا، سائلین کی درخواستوں پر **سنجیدگی سے توجہ نہ**

دینا اور وقت سے پہلے ہی دفتر سے غائب ہو جانا، کیا یہ آزاد اور ذمّہ دار قوموں کی ایڈمنسٹریشن کا رویّہ ہوتا ہے؟

ہم نے قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو کیا عمل کرنا ہے، ہم اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے آئین پر عمل کرنے کیلئے پُرخلوص نہیں ہیں۔ دراصل ہمارے سیاسی لیڈروں نے اپنے نفس کو ہی آئین بنایا ہوا ہے۔ ملک کا آئین اسی طرح الماری میں پڑا ہوتا ہے جیسے قرآن حکیم اپنے غلاف میں بند الماری میں پڑا رہتا ہے اور صرف کبھی کبھی ہی اسکو اُٹھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف اپنے نفس کی تسلی کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد تو صرف مؤمنوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ ''وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ○'' (آلِ عمران ۳، آیت ۶۸) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا ہی دوست ہوتا ہے'' (یعنی نہ مشرکین کی مدد کرتا ہے، نہ منافقین کی اور نہ ہی دوسرے کافروں کی)۔ ہم مؤمن بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی ورنہ ہماری رسّی شیطان کے ہی قبضے میں رہے گی جو ہمیں ہر قدم پر غلط راستہ دکھانے کیلئے بیٹھا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۴**: عَنْ قَیْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ مِرْدَاسَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ الْاَسْلَمِیَّ یَقُوْلُ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ یُقْبَضُ الصَّالِحُوْنَ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقَی حُفَالَۃٌ کَحُفَالَۃِ التَمْرِ وَالشَعِیْرِ لَایُعْأَ اللّٰہ بِھِمْ شَیْئًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۸۸۹)

**ترجمہ** : حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا اور وہ اصحابِ شجرہ میں سے ہیں کہ ''نیک لوگ ایک ایک کر کے اُٹھا لئے جائیں گے اور کھجور اور جَو کی بھوسی کی طرح بے کار لوگ باقی رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ہوگی''۔

**نوٹ**: انسان کی قدر و قیمت اسکے تقوے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ''(الحجرات ۴۹، آیت ۱۳) ترجمہ ''یقیناً تم میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب قابلِ احترام تو وہی ہے جو متقی (پرہیزگار) ہے'' اور تقویٰ ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ میرا اور آپکا مشاہدہ ہے کہ آج کل عمل صالح شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے اور صالح لوگ تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ اس وقت یہی حالت ہے کہ ہر جگہ کھجور اور جَو کی بھوسی نظر آتی ہے۔

اس دُنیا میں اور آخرت میں حق ہی وزن رَکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ''(الاعراف ۷، آیت ۸) ترجمہ ''قیامت کے دِن حق (سچ) ہی وزن دار ہوگا''۔ باطل کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ غیر حق (جھوٹ، باطل) وزن نہیں رَکھتا۔ حق پر چلنے والوں کے اعمال ہی وزن دار ہوتے ہیں، باطل (جھوٹ) پر چلنے والوں کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوتا خواہ ظاہری اعمال کتنے ہی خوشنما، باوقار اور اعلیٰ ترین نظر آئیں۔ یہ حقیقت دُنیا میں بھی درست ہے اور آخرت میں بھی۔ (دیکھیں سورۂ آلِ عمران ۳، آیت ۲۱، ۲۲)

مغرب کی تہذیب جو ظاہری طور پر خوشنما نظر آتی ہے، باطل پر قائم ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا (بانگِ دَرا)

مغرب کے نظامِ زندگی میں بہت سی باتیں درست نظر آتی ہیں لیکن اسکی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں بلکہ غیر اللہ کی رضا ہے، اسلئے ظاہری اچھے اعمال نیّت کی خرابی کی وجہ سے باطل بن جاتے ہیں اور بے وزن ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝**'' (الاعراف ۷، آیت ۱۴۷) ترجمہ ''اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں (احکامات) اور آخرت کے حساب کتاب کے پیش آنے کو جھٹلایا، انکے اعمال ضائع ہوگئے اور انکو بدلہ اسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ (دُنیا میں) کرتے رہے تھے''۔

مغربی نظامِ زندگی دَراصل کوئی وزن نہیں رَکھتی۔ یہ خاک کے اس ڈھیر کی طرح ہے جو تیز ہوا چلنے سے اُڑ کر بکھر جاتی ہے۔ ہم اندھا دُھند اس تہذیب کی تقلید کرتے جارہے ہیں لہٰذا ہمارا ایمان دِل سے آہستہ آہستہ نکلتا جارہا ہے اور اسکی جگہ باطل داخل ہوتا جارہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی (All that glitters is not Gold)۔

پیشتر اسکے کہ ہم انکے ساتھ مل کر تباہ ہوجائیں، ہمیں اپنی انفرادیت قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قائم کرنی چاہیے اور اس پر مضبوطی سے کاربند رہنا چاہیے۔ یہی ایک واحد طریقہ ہے جس سے ہم دُنیا اور آخرت میں کامیاب ہوسکتے ہیں، ''**وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۹) ترجمہ ''نہ ہی اپنے آپکو کمزور سمجھو اور نہ ہی اس بات کا غم کھاؤ (کہ تمہارے وسائل کم ہیں)۔ غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ تم مؤمن ہو''۔ قرآن کریم میں بارہا آیا ہے اور ہم نے بھی اس کتاب میں کئی دفعہ ذِکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کا مددگار ہے۔ اگر ہم مؤمن بن جائیں تو لازمی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد

ہمارے ساتھ ہوگی اور چونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور سب پر غالب ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ کوئی دُشمن ہمارے سامنے ٹھہر نہیں سکتا لیکن افسوس ہے کہ ہم مؤمن بننے کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ ہم نے نام تو مسلمانوں کے رَکھے ہوئے ہیں لیکن اِسلام کی تعلیم نہ ہم سنجیدگی سے حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر سنجیدگی سے عمل کرتے ہیں تو ہم مؤمن کیسے بن سکتے ہیں؟ مؤمن بننے کیلئے تو رات دِن ایک ایسے منظّم نظام پر عمل کرنا پڑتا ہے جو کہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضع کیا ہے اور اس منظّم نظام کے بغیر مؤمن کی صفات ہم میں ہرگز نہیں آ سکتیں۔

ہم نے جگہ جگہ انگریزی سکول بنائے ہوئے ہیں اور ہمارے طلبہ وطالبات جب وہ ان سکولوں سے تعلیم یافتہ ہوکر نکلتے ہیں تو ان میں سے اکثر انگلش بول بھی لیتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں لیکن یہی طلبہ جنکی قومی زبان اُردو ہے، انکی اکثریت اُردو شاید بول تو لیتی ہے لیکن لکھنے میں بہت ہی کمزور ہے۔ **ان سکولوں میں عربی زبان کی تعلیم کا نام ونشان بھی نہیں ہے**۔ مدارس میں قرآن کریم کو صرف ناظرہ کی حد تک پڑھایا جاتا ہے اور عربی زبان صرف چند ایک طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے۔ یاد رَکھیں کوئی قوم کسی دوسری قوم کی زبان میں ترقی نہیں کر سکتی۔ ہمارے صاحبِ اقتدار لوگوں کو چاہیے کہ نظامِ تعلیم میں اُردو کو نمبر ایک، عربی کو نمبر دو اور انگریزی کو نمبر تین پر رَکھیں۔

سکولوں، کالجوں اور دفاتر میں زیادہ انگریزی لباس چلتا ہے حالانکہ اپنا لباس زیادہ خوبصورت اور زیادہ آرام دَہ ہوتا ہے۔

ویلنٹائن ڈے، سالگرہ اور برسی وغیرہ منانا یہ سب کچھ ہم کر رہے ہیں۔

کیا یہ تمام چیزیں ہماری ہیں؟ یا غیروں کی۔ اگر ہم غیروں کی چیزیں پسند کریں گے تو ہم اپنا تشخص کھو بیٹھیں گے۔ ساٹھ سال بیشتر حکمرانوں نے کہا تھا کہ بتدریج ہم انگریزی کو اُردو سے بدل دیں گے۔ آج ہم پہلے سے بھی زیادہ انگریزی استعمال کر رہے ہیں۔ اُردو کو ہم نے ثانوی حیثیت دی ہوئی ہے اور عربی زبان کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انگریزی کے بعد جن چیزوں کو اہمیت دی جا رہی ہے، وہ فرانسیسی اور جرمن زبانیں ہیں۔ اگر ہم نے ترقی کرنی ہے تو ہمیں سب سے پہلے اُردو اور پھر عربی زبان کو

فروغ دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین جن کو ہم نے سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہے، عربی زبان میں ہیں (یعنی قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے حکمران اور تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی بولنے اور لکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور عربی کا تو انکو ایک لفظ بھی نہیں آتا۔ یہ رواج سا بن گیا ہے کہ قرآن کریم کو بغیر سمجھ کے پڑھ لیا جائے، ثواب کیلئے یہی کافی ہے۔ احادیث مبارکہ کی کتابیں تو آپکو اکثر گھروں میں ملیں گی ہی نہیں حالانکہ قرآن کریم آپ عربی زبان سیکھے بغیر نہیں سمجھ سکتے، نہ ہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پھر قرآن کریم کو موجودہ حالات کے مطابق سمجھنے کیلئے حدیث شریف کا علم ہونا ضروری ہے لیکن ہم ہیں کہ انگریزی پڑھ کر خوش ہیں کہ یہ ہمیں گویا کہ آسمان پر لے جائے گی حالانکہ آج سے بہت عرصہ پہلے حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشارہ کر دیا تھا کہ

؎ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّنظر — وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دِکھائے گا کیا سین؟ — پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

(بانگِ دَرا)

اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں یہ پیغام دیا تھا کہ اپنی انفرادیت کو بلند کرو، اس پر ڈَٹے رَہو اور دوسروں کے رسم ورواج کو مسترد کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ○'' (الکٰفرون ۱۰۹، مکمل سورت) ترجمہ ''کہہ دو کہ اے کافرو! میں انکی عبادت نہیں کرتا جنکی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم اسکی عبادت کرنے والے ہو جسکی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ میں انکی عبادت کرنے والا ہوں جنکی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اسکی عبادت کرنے والے ہو جسکی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دِین ہے اور میرے لیے میرا دِین''۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور انکے ذریعے اُمّت کو یہ تنبیہ کر دی ہے کہ تم ہرگز انکا کلچر اختیار نہیں کرو گے جو غیر مسلم ہیں

لیکن ہم اس سورت کو ایسے ہی بے سمجھے پڑھ جاتے ہیں جیسے پورے قرآن کریم کو پھر غلاف میں بند کر کے قرآن کریم کو ویسے ہی رَکھ دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ساری عمر چلتا ہے لیکن ہم ذرا غور نہیں کرتے کہ اس سورت میں ہمیں کیا تنبیہ کی گئی ہے۔

آپ خود مشاہدہ کریں اور اس پر غور کریں کہ دوسری قومیں تو ہماری بندگی نہیں کرتیں لیکن ہم نے مغربی کلچر کی بندگی کو قابل فخر سمجھا ہوا ہے۔ یادرَکھیے! یہ کامیابی کا راستہ نہیں۔ ایسی قوم اپنی انفرادیت کو اس طرح بہت جلد کھو دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انفرادیت پیدا کرنے کی کوشش میں کئی دفعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو یہودیوں کی کئی چھوٹی بڑی باتوں کی پیروی کرنے سے روکا اور انکی مخالفت کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

جب تک ہم اپنی انفرادیت کو تقویت نہیں دیں گے اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، (''**فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** .....'' (المؤمن ۴۰، آیت ۱۴) ترجمہ ''سوتم لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو، اسکے دِین کے ساتھ پوری طرح مخلص ہو کر.....''۔) دِین یعنی پوری طرزِ زندگی اور کلچر کو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں کریں گے تو ہماری انفرادیت اس دَرجہ کی نہیں ہوگی کہ ہم دوسروں پر غالب آسکیں۔

سائنس ایک کلچر نہیں ہے، یہ ایک مفید علم ہے لیکن اگر اسکو صحیح استعمال نہ کیا جائے تو یہ کلچر میں بگاڑ بھی پیدا کر دیتی ہے۔ اس میں ریسرچ اس نیّت سے ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسکو ہمارے لیے مفید بنائے لیکن ہم خود سائنسی ریسرچ میں مغرب سے بہت پیچھے ہیں اور جو سائنسی آلات ہمارے پاس پہنچتے ہیں، ہم ان سے صحیح طور پر افادہ نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک کیبل، ٹیلی ویژن اور الیکٹرانک کی دوسری مصنوعات ہیں جو ہمارے کلچر کو بگاڑ رہی ہیں، ان پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ جس سائنسی ریسرچ کی ہمیں ضرورت ہے، وہ عوام الناس کی فلاح کیلئے ایگریکلچر اور صنعت کو فروغ دینے کیلئے ہونی چاہیے اور ملکی دفاع کیلئے تو انتہائی ضروری ہے لیکن ہم بہت کم توجہ دے رہے ہیں۔

جب تک ہم اپنے کلچر اور سائنس میں انفرادیت کو اعلیٰ ترین مقام نہیں دیں گے، ہم ایک مضبوط قوم نہیں بن سکتے۔

جب قوم کھجور کی بھوسی کی طرح بن جاتی ہے تو تیز ہوا اسکو اپنے رُخ پر اُڑا کر ساتھ

لے جاتی ہے۔ جب کھجور ایک صحتمند اور تناوَر درخت ہوتا ہے تو تیز سے تیز طوفان بھی اسکو اُکھاڑنے میں اور اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام رہتا ہے۔

ذرا سوچیے تو سہی کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ کیا ہم ایک صحتمند اور تناور کھجور کا درخت بننا چاہتے ہیں یا اسکی بھوسی؟ (دیکھیں تلخیص البخاری، جلد دوم، حدیث شریف نمبر۲)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۵:** عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا غَزَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خَیْبَرَ اَوْ قَالَ لَمَّا تَوَجَّہَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰی وَادٍ فَرَفَعُوْا اَصْوَاتَھُمْ بِالتَّکْبِیْرِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اَنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَھُوَ مَعَکُمْ وَاَنَا خَلْفَ دَآبَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَسَمِعَنِیْ وَاَنَا اَقُوْلُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فَقَالَ یَاعَبْدَاللّٰہِ ابْنَ قَیْسٍ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَۃٍ مِنْ کَنْزٍ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ؟ قُلْتُ بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۹۲۹)

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر حملہ فرمایا'' یا فرمایا، ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگوں نے ایک وادی میں تکبیر کے ساتھ آوازیں بلند کیں اور کہا 'اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الاّ اللہ''۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم اپنے آپ پر نرمی کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم قریب سے سننے والے کو پکارتے ہو اور وہ ہر لحہ تمہارے ساتھ ہے''۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ کہتے ہوئے سنا، ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ''۔ تو مجھے فرمایا، ''اے (حضرت) عبداللہ ابن قیس (رضی اللہ

تعالیٰ عنہ)!''۔ میں نے عرض کیا،''حاضر ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''۔ فرمایا،''کیا میں تجھے ایک کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟''میں نے عرض کیا،''کیوں نہیں؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور فرمائیں) میرا باپ اور ماں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں''۔فرمایا،''(وہ کلمہ)'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' ہے''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونچی آواز سے نعرۂ تکبیر لگانا **وقار کے خلاف** ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہر جگہ موجود ہے اور سب کچھ سنتی اور دیکھتی ہے۔**اللہ تعالیٰ کا نام وقار کے ساتھ پکارنا چاہیے۔**

جونعرۂ تکبیر سنے، اسکے جواب میں کہے''لاحول ولاقوۃ الا باللہ''۔ ہمارے ہاں مجلسوں میں بہت اونچی آواز سے تکبیر کہنا معمول بن گیا ہے۔اس حدیث مبارکہ میں نصیحت ہمارے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام آہستہ اور وقار سے لینا چاہیے۔**خود اللہ تعالیٰ نے اونچی آواز کو پسند نہیں فرمایا۔** اللہ تعالیٰ تو آہستہ سے آہستہ آواز بھی سنتا ہے اسی طرح جیسے اونچی آواز،''اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْف'' خَبِیْر''○''(لقمٰن ۳۱، آیت ۱۶) ترجمہ''یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے باریک امور سے بھی باخبر ہے''۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اُمت کو **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** سے بات کرتے وقت اپنی آواز پست رکھنے کا حکم فرمایا ہے،''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○''(الحجرات ۴۹، آیت ۲) ترجمہ''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ہی اسکے ساتھ ایسے اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں اسکا شعور بھی نہ ہو''۔

یہاں سے ایک بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بلند آواز کو پسند نہیں فرماتا تو اللہ تعالیٰ خود جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اونچی آواز کو کیسے پسند کرسکتا ہے؟ جو کہ **لَطِیْف** اور **خَبِیْر** ہے البتہ جنگی محاذ میں اس

بات کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کا دُشمنوں پر رُعب طاری کرنا مقصود ہوتا ہے۔اس حدیث مبارکہ میں وہ ابھی سفر میں ہیں اور دُشمن ابھی دُور ہے۔

اس حدیث شریف میں دوسری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمّت کو فرمائی، وہ یہ ہے کہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کا ذِکر ایسا ذِکر ہے جو انسان کو جنت کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات میں سے ایک کلمہ ہے۔**سب سے زیادہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، وہ اسکی تعریف ہے۔**(حدیث سے) اسی لئے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہی شروع ہوتا ہے، ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○**'' (الفاتحہ، آیت ۱)

**وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۴۶**: عَنْ سَهْلٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِلْتَقَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِکُوْنَ فِی بَعْضِ مَغَازِیْہِ فَاقْتَتَلُوْ فَمَالَ کُلُّ یَوْمٍ اِلٰی عَسْکَرِھِمْ وَفِی الْمُسْلِمِیْنَ رَجُلٌ لَایَدَعُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ شَاذَّۃً وَلَافَاذَّۃً اِلَّا اتَّبَعَھَا فَضَرَبَھَا بِسَیْفِہٖ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا اَجْزَأَ اَحَدُھُمْ مَا اَجْزَأَ فُلَانٌ، فَقَالَ اِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَقَالُوْ اَیُّنَا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اِنْ کَانَ ھٰذَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ، مِنَ الْقَوْمِ لَاَتْبَعَنَّہٗ، فَاِذَا اَسْرَعَ وابطأ کنت مَعَہٗ، حتی جرح فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصَابَ سَیْفِہٖ بِالْاَرْضِ وَذُبَابَہٗ، بَیْنَ ثَدْیَیْہِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَیْہِ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ، فَجَآءَ الرَجُلُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَمَا ذَاکَ فَاَخْبَرہٗ، فَقَالَ اِنَّ الرَجُلُ اِنَّ الرَجُلَ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فِیْمَا یَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَاَنَّہٗ، لِمَنْ اَھْلِ النَّارِ وَیَعْمَلُ عَمَلِ اَھْلِ النَّارِ فِیْمَا یَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم چہارم، حدیث ۳۹۳۱)

**ترجمہ** : حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکوں کا ایک غزوہ میں مقابلہ ہوا اور سخت لڑائی ہوئی پھر ہر فریق اپنے لشکر کی طرف مائل ہوا۔ مسلمانوں میں ایک شخص تھا، جو مشرکوں میں سے کسی ایک دو کو بھی نہ چھوڑتا مگر اسکا پیچھا کرتا اور اسکو اپنی تلوار سے قتل کر دیتا تھا۔ عرض کیا گیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کسی نے وہ کام نہیں کیا جو فلاں نے کیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''وہ دوزخی ہے''۔ لوگوں نے کہا، ''اگر یہ دوزخی ہے تو ہم سے کون جنتی ہوگا؟'' لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا، ''میں اسکا تعاقب کرتا ہوں۔ پس جب وہ

تیز چلے یا آہستہ چلے، میں اسکے ساتھ رہوں گا'' حتی کہ وہ زخمی ہوگیا اور جلدی مرنا چاہا تو اپنی تلوار کا قبضہ زمین پر رَکھا اور اسکی تیز دھار نوک اپنے سینہ کے درمیان رکھی پھر اس پر اپنا بوجھ ڈالا اور اپنے آپکو ہلاک کرلیا (خودکشی کرلی)۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا بات ہے؟'' اس نے سارا واقعہ بیان کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کوئی آدمی لوگوں کی نظروں میں جنتیوں جیسے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور کوئی آدمی لوگوں کی نظروں میں دوزخیوں جیسے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے''۔

**نوٹ:** ''**خودکشی اِسلام میں حرام ہے اور خودکشی کرنے والا جہنمی ہے**'' (مسلم، باب کتاب الایمان)۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ جن کو سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھوک سے خودکشی کرتے ہیں، وہ دَراصل بھوک سے خودکشی نہیں کر رہے ہوتے، اسکے پیچھے دوسرے محرکات ہوتے ہیں لیکن **سیاسی پارٹیاں بھوک کا نام لے کر اور اسکو حکومت کا ذِمّہ ٹھہرا کر اپنی سیاست چمکاتی ہیں**۔ حقیقت یہ ہے کہ **بھوک سے کوئی خودکشی نہیں کرسکتا**۔ جسمانی طور پر اس میں اتنی طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے آپکو مارلے۔ مجھے پورے صحاحِ ستّہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو کہ تاریخ انسانیت کا انتہائی تنگدستی کا زمانہ تھا، کسی کی بھوک کی وجہ سے خودکشی کرنے کی روایت نہیں ملتی۔

اکثر اوقات خودکشی نفسیاتی بیماری کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں شدید افسردگی یعنی (Endogenous Depression) سرِفہرست ہے۔ باقی **گھریلو جھگڑے** ہیں جنکی وجہ سے انسان دوسروں کو ڈَرانے کیلئے خودکشی کا ڈراوا دیتا ہے لیکن کئی دفعہ وہ خودکشی کر بھی بیٹھتا ہے کیونکہ کوئی اسکو روکنے والا نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''انسان جس چیز سے خودکشی کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو جہنم میں اس چیز سے اسکو عذاب دیتا رہے گا''۔ (مسلم، باب کتاب الایمان)

اس حدیث شریف کا یہ بھی سبق ہے کہ ہم عوام الناس کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ کون جنّتی ہے اور کون جہنمی۔ ظاہری اعمال گو ہمارے سامنے ہوتے ہیں لیکن انکی حقیقت اور پسِ پردہ نیّت کا علم صرف اللہ رَبّ العزت کو ہوتا ہے۔ اسکے خفیہ خیالات اور خفیہ زندگی تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔

ہمارا رویّہ یہ ہونا چاہیے کہ ہر میّت کیلئے بخشش کی دُعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید رکھیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۷**: عَنْ سَالِم'' مَوْلَی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ابْنِ مُطِیْعٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ اِفْتَتَحْنَا خَیْبَرَ فَلَمْ نَغْنَمْ ذَھَبًا وَلَا فِضَّۃً اِنَّمَا غَنِمْنَا الْبَقَرَ وَالْاِبِلَ وَالْمَتَاعَ وَالْحَوَائِطَ ثُمَّ انْصَرَفْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلٰی وَادِی الْقُرٰی وَمَعَہٗ عَبْدٌ'' لَہٗ یُقَالُ لَہٗ مِدْعَمٌ'' اَھْدَاہُ لَہٗ اَحَدُ بَنِیْ الضُّبَابِ فَبَیْنَمَا ھُوَ یَحُطُّ رَحْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَ ہٗ سَھْمٌ'' عَائِرٌ'' حَتّٰی اَصَابَ ذٰلِکَ الْعَبْدَ فَقَالَ النَّاسُ ھَنِیْئًا لَہٗ الشَّھَادَۃُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بَلٰی وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الشَّمْلَۃَ الَّتِیْ اَصَابَھَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْھَا لَمَقَاسِمُ لِتَشْتَعِلُ عَلَیْہِ نَارًا فَجَآءَ رَجُلٌ'' حِیْنَ سَمِعَ ذٰلِکَ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ فَقَالَ ھٰذَا شَیْئٌ'' کُنْتُ اَصَبْتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ شِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ مِنْ نَارٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۳۹۵۴)

**ترجمہ** : حضرت ابن مطیع کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے خیبر فتح کیا اور ہم نے سونا چاندی غنیمت نہ پائی۔ ہم نے صرف بیل، اونٹ، سامان اور باغات غنیمت پائی پھر ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ وادی القریٰ میں آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک غلام تھا جسے ''مِدْعَم'' کہا جاتا تھا۔ وہ قبیلہ بنی ضباب کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذرانہ پیش کیا تھا۔ ایک دفعہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کجاوہ اُتار رہا تھا کہ اچانک اسکو ایسا تیر لگا جسکے مارنے والے کا کوئی پتہ

نہ تھا۔ وہ غلام تیر لگنے سے مر گیا تو لوگوں نے کہا، ''اسکو شہادت مبارک ہو''۔ (یہ سن کر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو کچھ تم کہتے ہو، اس طرح نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! جو چادر اس نے خیبر کے روز غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے لی تھی (یعنی چُرائی تھی)، وہ چادر (قیامت کے روز) اس پر آگ بن کر شعلہ زَن ہوگی یعنی جہنم میں''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے آیا اور کہا، ''یہ میں نے حاصل کئے تھے'' (یعنی مالِ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے چُرائے تھے)۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک یا دو تسمے بھی آگ ہیں''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ خیانت کرنے والا شخص خواہ وہ ایک یا دو تسمے جو کہ بالکل معمولی چیز ہیں، خیانت سے لے، وہ بھی جہنمی ہے۔ ہمارے ہاں خیانت اتنی عام ہے کہ شاید ہی کوئی انسان اس بُرائی سے بچا ہوا ہو۔

ہم جب خیانت کرنے والے کو پکڑ بھی لیتے ہیں تو پیسے کی وصولی (Recovery) کے علاوہ اسکو خیانت کرنے کی سزا نہیں دیتے۔ اس سے خیانت کے جراثیم ہر ادارے میں پرورش پا رہے ہیں۔ نیب کا اِدارہ مُک مکا کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتا حالانکہ وصولی (Recovery) کے ساتھ ملکی اور اسلامی قانون کی رُو سے وہ سزا کا مستحق بنتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''مؤمن نہ جھوٹا ہو سکتا ہے، نہ خائن'' (احمد)

ہم میں یہ دونوں بُرائیاں بہت پھیلی ہوئی ہیں۔ ابھی وقت ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور سچ بولنے اور اس پر قائم رہنے کا عہد کرے اور اپنے مالی اور غیر مالی معاملات میں ایمانداری اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط'' (التوبۃ ۹، آیت ۱۱۱) ترجمہ ''یقیناً اللہ

تعالیٰ نے خرید لیے ہیں مؤمنین کی جانیں (یعنی ذہنی، روحانی اور جسمانی صلاحیتیں) اور انکے مال جنت کے بدلے'' یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اگر انسان خلوص سے اپنی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں صَرف کرے گا اور مال کمانے اور خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حدود (یعنی حلال وحرام اور اسراف) کا خیال رَکھے گا تو اسکا آخرت کا گھر جنت ہوگا۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک تم مجھے سچائی کی ریزگاری دیتے رہو گے، میں اسکو کئی گنا بڑھا کر واپس کرتا رہوں گا (یعنی دُنیا اور آخرت میں)۔ اسکے برعکس اگر تم جھوٹا سکّہ میرے پاس لاؤ گے تو میں اسکو پھینک دوں گا۔ نہ تمہارے دُنیا کے کام درست کروں گا اور نہ ہی آخرت کے۔

تاریخ میں ایک واقعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حجاج بن یوسف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قتل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ حجاج کے آدمیوں سے چھپتے جارہے تھے حتیٰ کہ وہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر پہنچ کر چھپ گئے۔ جب حجاج کے آدمیوں نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ ''کیا (حضرت) حسن بصری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) تمہارے گھر میں چھپے ہوئے ہیں؟'' تو حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا، ''ہاں! تلاش کرلو''۔ حجاج کے اہلکاروں نے سارا گھر چھان مارا لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تلاش نہ کر سکے اور وہ نا اُمید ہوکر چلے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کمین گاہ سے نکلے اور حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہا، ''آپ نے تو مجھے مروادیا تھا۔ آپ نے کیوں بتایا کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں''۔ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا، ''یہ سچ کی برکت ہے کہ وہ تمہیں تلاش نہ کر سکے۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں کامیاب ہوجاتے''۔

اگر انسان سچ کو پکڑ لے تو وہ ہر بُرائی سے باز آ سکتا ہے، خاص طور پر خیانت سے۔ پھر وہ لوگوں سے رشوت لینا اور لوگوں کے خزانے کو لوٹنا آگ سے زیادہ خطرناک سمجھنے لگے گا اور ممکن ہے کہ یہ خوف اسے خیانت سے باز رَکھے۔

ہمارے دفتروں میں امانت میں خیانت، مال کے علاوہ اور بھی کئی طریقوں سے ہوتی ہے مثلاً سائل کا کام وقت پر نہ کرنا ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ عوام کے ٹیکسوں سے جمع کیے ہوئے خزانے کو اپنا ذاتی مال سمجھ کے ذاتی کاموں کیلئے استعمال کرتے رہنا ایسی خیانت ہے جس سے شاید ہی کوئی افسر، سیاسی لیڈر اور اہلکار بچا ہوا ہو۔ اگر عوام کے پیسے کو لوگوں کی بہبود پر لگائیں تو اسکے نتائج اتنے اچھے نکلیں گے کہ ہمیں دوسری دُنیا سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مالی اِمداد آدمی تین (۳) طریقوں سے لیتا ہے، (۱) قرض بلا سود، (۲) اُدھار سود پر، (۳) براہِ راست مانگ کر۔ قرض بلا سود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی لیتے رہے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرض کو اَحسن طریقے سے اَدا کرو''۔ (الحدیث)

جو اُدھار سود پر لیا جاتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں منع فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ○'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۰) ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اُمید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ اُس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے مہیا کی گئی ہے'' (کافرون یعنی وہ لوگ جو اس آیت مبارکہ کو نہیں مانتے اور اس پر یقین نہیں رَکھتے اور برابر سود لیے جا رہے ہیں)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اسے لکھنے والے اور اسکا گواہ بننے والے پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ سارے برابر ہیں''۔ (مشکوٰۃ، مسلم)

مزید سود کے بارے میں مطالعہ کریں سورۂ بقرۃ ۲، آیات مبارکہ نمبر ۲۷۵ سے ۲۸۱ تک۔

براہِ راست کسی سے مالی اِمداد مانگنا بھیک کے زُمرے میں آتا ہے۔ اگر اسکو پروفیشن بنالیا جائے تو اسکے بہت بُرے اَثرات ہیں۔ قرض لے کر واپس نہ کرنا یا کچھ حصّہ معاف کرالینا بھیک مانگنے کے زُمرے میں آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بھیک مانگنے والے کے چہرے پر قیامت کے روز گوشت نہیں ہوگا'' یعنی ذلیل ہوگا۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''دینے والا ہاتھ لینے والے کے اوپر ہوتا ہے'' (یا یوں کہہ لیجئے کہ لینے والا ہاتھ دینے والے کے نیچے ہوتا ہے)۔

بھیک مانگنے کے بہت بُرے اَثرات انسان کی شخصیت اور قوم پر پڑتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے ایڈ (Aid) کے نام پر دُنیا کے کئی اداروں اور کئی ملکوں سے سود پر اُدھار لیا ہوا ہے اور لیتے جارہے ہیں۔ اسکا اَثر قوم پر یہ پڑ رہا ہے کہ قوم کی ذہنیت غلامانہ بنتی جارہی ہے۔ کرپشن، سہل انگیزی اور خیانت ملک کے ہر ادارے میں زوروں پر ہے۔ ایسی قوم کا رُعب دُشمنوں کے دِلوں سے نکل جاتا ہے۔ دُشمن انکو گھٹیا، بے وقعت، بزدِل اور بے غیرت سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں آزادی بھی داؤ پر لگ جاتی ہے پھر نہ دِین محفوظ ہوگا نہ دُنیا۔

انفرادی طور پر بھیک مانگنے سے اس پر نفسیاتی اَثر یہ پڑتا ہے کہ معاشرے میں اس کو ذلیل، کمینہ، ہڈحرام اور بے غیرت سمجھا جاتا ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ قوم چونکہ افراد سے بنتی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کردیا ہے تو پھر قوم کی صفات بھی یہی ہو جاتی ہیں۔

اسکے برعکس جو شخص اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بہترین رزق کھا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''بہترین رزق اپنے ہاتھ کی کمائی ہے''۔ (مشکوٰۃ، باب کتاب البیوع)

حضرت داؤد علیہ السلام نبی اور بادشاہ تھے لیکن اپنے گھر کا خرچ زِرہیں بنا کر چلاتے تھے۔ قانونی لحاظ سے وہ بیت المال سے اپنے ذاتی اخراجات لینے کے حق دار تھے لیکن فضیلت اس میں تھی کہ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کمائی جائے اور حکومت الٰہی کا کام

صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جائے۔(مشکوٰۃ، باب کتاب البیوع)

حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنے گھر کا ذاتی خرچ خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے پورا کرتے تھے۔ وہ قرآن کریم کی کتابت کیا کرتے تھے اور جو آمدنی ہوتی تھی، اسی پر گزارہ کرتے تھے اور حکومت الٰہی کا کام صرف اللہ رَبّ العزت کی خاطر سرانجام دیتے تھے۔

جب لیڈر اس درجہ غیرت مند ہوگا کہ عوام کے خزانے سے اپنا حق بھی نہیں لینا چاہتا بلکہ ایک ایک پائی عوام کی بہبود کیلئے خرچ کرتا ہے تو پھر قوم میں بھی وہ غیرتِ ایمانی اس دَرجہ پیدا ہو جاتی ہے کہ دُشمنوں پر اس قوم کا رُعب چھا جاتا ہے۔

ایسی مثالیں حضرات خلفائے راشدین اور انکے گورنروں میں بے شمار آپکو تاریخ کے صفحات میں ملیں گی، اسی لئے اس وقت کی مسلمان حکومتوں کا رُعب دُنیا پر مدّتِ دراز تک چھایا رہا۔

آج ہم ہیں کہ ہمارے لیڈروں نے سود پر اُدھار مانگ کر انتہائی ذِلّت کا ثبوت دیا ہوا ہے۔ سود کھانا ایک تو گناہِ کبیرہ ہے، دوسرا دوسرے ملکوں یا اداروں سے لیا ہوا قرض اسکا زیادہ حصہ اپنی ذات پر خرچ کر دیتے ہیں اور سود اَدا کرنے کے لیے پھر عوام پر ٹیکس اور مزید ٹیکس لاگو کر دیئے جاتے ہیں۔

اگر قوم کے لیڈروں میں غیرت ختم ہوگئی ہے تو عوام میں غیرت کیسے پیدا ہوگی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمایا تھا کہ ''تم مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرلو، میں تم سے ایک بات کا وعدہ کرتا ہوں''۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! وہ کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم مجھ سے یہ وعدہ کرلو کہ تم کسی سے سوال نہیں کرو گے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم جنت میں جاؤ گے''۔ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ ''میں نے اس وعدے کا اتنا پاس رکھنے کی کوشش کی کہ اگر میرے گھوڑے کا چابک بھی گر جاتا تو میں کسی دوسرے کو اُٹھانے کیلئے کہنے کے بجائے خود نیچے اُتر کر اُٹھاتا''۔(بخاری)

قیامت کے روز ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اُٹھائے گا، ''اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○'' (النجم ۵۳، آیت ۳۸) ترجمہ ''(کیا تم نہیں جانتے) کہ کوئی شخص دوسرے

(کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا'' لیکن قوم کے لیڈر (حکمران) اپنے بوجھ بھی کندھوں پر لادے ہوئے ہوں گے اور پوری قوم کے بھی۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ''لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○'' (النحل ۱۶، آیت ۲۵) ترجمہ ''قیامت کے روز اپنے بوجھ بھی (وہ لوگ) پورے اٹھائیں گے اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کے بوجھ بھی سمیٹیں گے جنہیں یہ گمراہ کرتے تھے۔ دیکھو یہ کیسا بُرا بوجھ ہے جو وہ (اس دِن) اُٹھا رہے ہوں گے''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۴۸**: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّه‘ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَکَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ ۔(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۰۰۶)

**ترجمہ** : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ کے سال یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی خرید وفروخت کو حرام کیا۔

**نوٹ**: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کی **چالیس دن تک** نماز قبول نہیں فرمائیں گے پھر اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے اور پھر اگر وہ دوبارہ پیئے گا تو پھر چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ پھر اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے''۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار مرتبہ فرمایا اور **چوتھی مرتبہ فرمایا** کہ ''اب اگر وہ توبہ بھی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے اور اسے کیچڑ کی نہر سے پلائیں گے''۔ لوگوں نے کہا، ''حضرت ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما! کیچڑ کی نہر کیا ہے؟'' فرمایا، ''**دوزخیوں** (کے زخموں) **کی پیپ** (جو آگ کی وجہ سے پیدا ہوئے)'' (ترمذی، حدیث ۱۶۹۶)

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جو شخص چار دفعہ اپنی زندگی میں شراب پی لے گا، اسکی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہیے جو شراب کے عادی ہیں کہ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے کھڑے ہوں گے۔ ایک اور حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے لہٰذا جو شخص دُنیا میں شراب پیئے گا اور اسکا عادی ہونے کی حالت میں مرے گا تو وہ آخرت کی شراب (یعنی جنت کی شرابِ طہور) نہیں پی سکے گا'' (ترمذی، حدیث ۱۶۹۵)۔ اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ شراب کا عادی جنت میں نہیں

جائے گا۔

قرآن کریم میں اسکو منع کرنے کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ اسکے کچھ فائدے بھی ہیں اور کچھ نقصانات لیکن اسکے نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں۔(البقرہ۲، آیت ۲۱۹)

یورپ میں میڈیکل پریکٹس کے دوران میں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ شراب معاشرے کے **اَمن کو تہ و بالا** کر دیتی ہے اور ہر گھر اور محفل میں حتیٰ کہ جب انسان اکیلا ہوتا ہے تو فساد کی بنیاد بنتی ہے۔

یہ انسانوں کے درمیان (مثلاً بھائی بھائی کے درمیان، دوست دوست کے درمیان، میاں بیوی کے درمیان، باپ بیٹے کے درمیان) **عداوت** پیدا کرنے کی بُری صفت رَکھتی ہے اور انسان کو نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے غافل کر دیتی ہے۔(مطالعہ کریں سورۃ المائدہ ۵، آیت ۹۱)

**اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند فرماتا ہے** اور شراب معاشرے میں بے شمار بُری باتوں کی موجب بنتی ہے جن سے فساد برپا ہوتا ہے مثلاً مدہوشی میں دوسرے کو گالی نکال دینا، دوسرے کو تھپڑ مار دینا یا قتل کرنا۔ یہ کوئی ایک دو واقعات نہیں ہوتے۔ میں نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یورپ میں روزمرہ ایسے بے شمار واقعات دیکھے ہیں۔

اسکے طبّی نقصانات بھی بہت ہیں، جگر کو خراب کرتی ہے، دماغ کے خلیوں کو بے عمل کر دیتی ہے، اعصاب کو بے حس کر دیتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسکے اخلاقی نقصانات بھی کم نہیں ہیں مثلاً عقل کو موقوف کر دیتی ہے جسکی وجہ سے شرابی سے بے شمار معاشرتی بداخلاقیاں سرزَد ہوتی ہیں۔ جنسی شہوت کو خاص طور پر تیز کر دیتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دیتی ہے، اسکی تھوڑی سی مقدار استعمال کرنا بھی حرام ہے''(ترمذی، حدیث ۱۶۹۹)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیّت فرمائی کہ ''**شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر شَر کی کنجی ہے**''(ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۱۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''شراب کی وجہ سے دَس آدمیوں پر لعنت نازل ہوتی ہے، (۱) دیکھنے والے پر (طلب کی نگاہ سے) (۲) پینے والے پر (۳) نچوڑنے والے پر (۴) نچڑوانے والے پر (۵) بیچنے والے پر (۶) خریدنے والے پر (۷) لے جانے والے پر (۸) جس کیلئے لے جائی گئی ہے (۹) اسکی قیمت کھانے والے پر اور (۱۰) اسکے پلانے والے پر'' (ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۱۶۹)

ہمارے معاشرے میں مغربی معاشرے کی نسبت گو شراب بہت کم ہے لیکن ایک مسلم معاشرے میں یہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر ایک مدتِ دراز تک شراب پینے والے کو سزا دی جاتی رہی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب میں لیبیا میں تھا تو شراب پینے والے کو کوڑے لگائے جاتے تھے لیکن اب تمام مسلم ممالک کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ شراب پینے پر کسی کو سزا نہیں دی جارہی۔

اس وقت قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرنے کی ہماری حالت وہ ہو چکی ہے جیسے بنی اسرائیل کی حالت تورات کے بارے میں تھی جب قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا۔

بنی اسرائیل کا تورات کے احکامات پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ قوم بالکل منتشر ہوگئی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث۴۹**: عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَاسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ وَاَمَرَھُمْ اَنْ یُطِیْعُوْہُ فَغَضِبَ قَالَ اَلَیْسَ اَمَرَکُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ تُطِیْعُوْنِیْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ فَاجْمَعُوْا لِیْ حَطَبًا فَجَمَعُوْا فَقَالَ اَوْقِدُوْا نَارًا فَاَوْقَدُوْھَا فَقَالَ ادْخُلُوْھَا فَھَمُّوْا وَجَعَلَ بَعْضُھُمْ یُمْسِکُ بَعْضًا وَیَقُوْلُوْنَ فَرَرْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَمَازَالُوْا حَتّٰی خَمِدَتِ النَّارُ فَسَکَنَ غَضَبُہٗ فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْدَخَلُوْھَا مَا خَرَجُوْا مِنْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَلطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۰۴۴)

**ترجمہ**: امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک فوجی دستہ بھیجا اور ان پر ایک انصاری کو امیر مقرر فرمایا اور فوجی دستے سے فرمایا کہ ''اسکی اطاعت کریں''۔ ایک دفعہ وہ غصّہ میں آ گیا تو ان سے کہا، ''کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟'' انہوں نے کہا، ''کیوں نہیں! ضرور حکم فرمایا ہے''۔ اس نے کہا، ''لکڑیاں اکٹھی کرو'' پھر کہا، ''انکو آگ لگاؤ''۔ انہوں نے لکڑیوں کو آگ لگا دی پھر کہا، ''تم سب اس میں داخل ہو جاؤ''۔ بعض نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا اور دوسروں نے انکو روکنا شروع کیا اور کہا، ''ہم آگ (جہنم کی آگ) سے بچنے کیلئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے (اب آگ میں داخل کیوں ہوں؟)''۔ وہ اسی حال اور بحث وتکرار میں رہے حتیٰ کہ آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ فرو ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس سے نکل نہ پاتے، فرمانبرداری معروف (اچھے) کام میں ہوتی ہے''۔

**نوٹ:** اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ امیر (حکمران) کی ہر بات نہیں مانی جاسکتی۔ صحیح اور غلط بات میں امتیاز کے لیے **علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ فرمانبرداری** جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **صرف اچھے کام میں ہوتی ہے۔ ہر تخریبی کام** جہنم کو لے جانے والا ہے یعنی وہ کام جس کا نہ دُنیا میں فائدہ ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

آج کل ہمارے امیر (حکمران) بیشتر کام غلط کر رہے ہیں اور بیشتر منصوبے غیر فلاحی ہیں۔ ان منصوبوں کی بنیاد زیادہ تر انکے اپنے ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ نام وہ عوام کی فلاح کا لیتے ہیں لیکن جو کام بھی وہ کرتے ہیں، وہ عوام کی بہبود کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بالکل درست بات ہے کہ غریب عوام غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں اور ہر سطح پر ان سے **ظالمانہ** رویّہ رَکھا جا رہا ہے۔ اس طرزِ اَمارت (حکمرانی) نے معاشرے کا ایک حصّہ ایسا پیدا کر دیا ہے کہ جو رُول آف لاء (Rule of Law) کو جانتا ہی نہیں۔ انکی طرزِ اَمارت (حکمرانی) کا اصول رُول آف نو لاء (Rule of No-Law) ہے۔ ایسے حکمران اُن اَمیروں (حکمرانوں) میں شامل نہیں ہیں جنکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے انکی اطاعت کی بیعت لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر کسی حبشی بندے کو بھی تمہارا حاکم بنا دیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق تمہاری رہنمائی کرتا ہو تو اسکی سنو اور اطاعت کرو''۔ (نسائی، حدیث ۱۴۹۹)

ایک اَور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جس نے **میرے امیر** کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اسکی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی'' (یعنی میرے امیر کا مطلب وہ امیر ہے جو میرے نقشِ قدم پر چل رہا ہے)۔ (نسائی، حدیث ۴۲۰۰)

ان دو احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلمان پر اس اَمیر (حکمران) کی اطاعت لازم آتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

اطاعت کرنے والا ہو۔ حدیث شریف زیر بحث یعنی حدیث شریف نمبر ۴۹ سے یہ بھی اصول اَخذ ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر چلنے والا امیر ایک ایسا حکم دیتا ہے جو کہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف ہے تو اسکی اطاعت ہرگز نہیں کرنی ہوگی کیونکہ اس وقت اطاعت معصیّت کی طرف لے جائے گی۔

اَب ذرا غور کریں کہ ہمارے اَمیر یعنی حکمران جن کا اصولِ حکمرانی رُول آف نو لاء (Rule of No-Law) ہے اور وہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کرتے ہیں، کیا ہمیں پھر بھی ہر خیر و شَر میں انکا ساتھ دینا چاہیے؟

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۵۰:** عَنْ اَبِیْ مَعْبَدٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَنْہُ حِیْنَ بَعَثَہٗ اِلَی الْیَمَنِ اَنَّکَ سَتَاْتِیْ قَوْمًا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ فَاِذَا جِئْتَھُمْ فَادْعُھُمْ اِلٰی اَنْ یَشْھَدُوْا اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْ لَکَ بِذٰلِکَ فَاَخْبِرْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لَکَ بِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَاب''۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۰۴۹)

**ترجمہ:** حضرت ابومعبد مولیٰ ابن عباس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا، ''تم اہل کتاب کے پاس جاؤ گے۔ جب انکے پاس جاؤ تو انکو یہ دعوت دو کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (توحید ورسالت کی شہادت دیں)۔ اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو انکو خبر دو کہ تم پر پانچ نمازیں دِن اور رات میں فرض کی گئی ہیں اور وہ اگر اس میں تمہاری اطاعت قبول کر لیں تو انکو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو ان میں سے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء اور غرباء میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو انکے اعلیٰ اموال سے بچو اور مظلوم کی بددُعا سے ڈرو کیونکہ اسکی بددُعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں''۔

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ کے متعلق یہ نصیحت فرمائی کہ **سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلائیں**۔ جب وہ اِسلام لے آئیں تو پھر انکو **نماز اور زکوٰۃ** کی ترغیب دیں۔ زکوٰۃ کے متعلق خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ عوام الناس کو اس بات کی یقین دہانی کرائیں کہ **جو زکوٰۃ ہم تم سے لیں گے، وہ تمہارے ہی غریبوں پر خرچ کریں گے** اور جب زکوٰۃ لینے جاؤ تو انکے اعلیٰ ترین اموال سے مت لو بلکہ **میانہ روی** اختیار کرو اور یہ بھی یاد رَکھو کہ حکمران کا ذِمّہ یہ ہے کہ لوگوں پر کسی قسم کا **ظلم نہ ہونے پائے**۔ ظالم کا ہاتھ روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا حکمران کا ذِمّہ ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ حکومت اگر زکوٰۃ وصول کرے تو اسی علاقے میں اسکو خرچ کر دینا چاہیے، مرکز کو نہیں بھیجنی چاہیے اور یہ کہ زکوٰۃ لینے میں دوسرے پر ظلم نہ کیا جائے اور مزید ظلم سے عوام الناس کی حفاظت کی جائے لیکن افسوس کا پہلو یہ ہے کہ ہمارے حکمران لوگوں کو ظالم سے بچانے کے بجائے خود ہی ظلم کرنے پر آ جاتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں سے کیا اُمید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ عوام کو ظالم سے بچانے کی کوشش کریں گے۔

اِسلامی حکومت کے تین (۳) اوّلین فرائض ہیں، (۱) عوام کے خون (جان) کی حفاظت کرنا، (۲) عوام الناس کے مال کی حفاظت کرنا، (۳) لوگوں کو ایک دوسرے کے بنیادی حقوق دلوانے میں کمزور کی مدد کرنا اور ظالم کو سزا دینا۔

کیا ہمارے ہاں ساٹھ (۶۰) سالوں سے کوئی ایسی حکومت آئی ہے کہ جس نے ان تین (۳) فرائض میں سے کسی ایک فرض کو بھی پورا کیا ہو یا کر رہے ہوں یا اسکا شعور رَکھتے ہوں؟ انکا شعور تو صرف اور صرف اپنی ہی ذات تک محدود رہتا ہے خواہ ملک دو ٹکڑے ہو جائے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث۵۱:** عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِیْنَۃِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِیْرًا وَلَاقَطَعْتُمْ وَادِیًا اِلَّا کَانُوْا مَعَکُمْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ وَھُمْ بِالْمَدِیْنَۃِ حَبَسَھُمُ الْعُذْرُ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث۴۱۲۲)

**ترجمہ** : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور ہم مدینہ منورہ کے قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مدینہ منورہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم کوئی راہ نہیں چلے اور نہ ہی تم نے کوئی وادی قطع کی مگر وہ تمہارے ساتھ تھے''۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ مدینہ منورہ میں ہیں؟'' فرمایا، ''وہ مدینہ منورہ میں ہیں کیونکہ انکو عذر نے روک رکھا ہے (لیکن انکی نیّت جہاد میں شامل ہونے کی تھی اور نہ شامل ہوکر دِل میں رنج رَکھتے ہیں)''۔

**نوٹ:** غزوۂ تبوک میں کچھ لوگ شریک ہونے سے اسلئے رَہ گئے تھے کہ انکے پاس وسائل نہیں تھے لیکن دِل میں انہیں اس بات کا بڑا غم تھا۔ وہ پُرخلوص مؤمن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اگر نیّت میں خلوص ہو اور مجبوریوں کی وجہ سے عمل صادر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں گویا کہ اس نے اپنی نیّت پر عمل کرلیا۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ لوگ جو مجبوری کی وجہ سے ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوسکے، اللہ تعالیٰ نے انکے لیے اتنا ہی ثواب لکھا ہے جتنا ان کیلئے جو اس غزوہ میں عملی طور پر شامل ہوئے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ.....'' (المؤمن۴۰، آیت۱۴) ترجمہ ''سوتم لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو، اسکے دِین کے ساتھ پوری طرح مخلص ہوکر.....''۔

وہی لوگ جو مخلص مؤمن تھے لیکن غزوہ میں مجبوراً حصّہ نہیں لے سکے اور وہ دِل سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانا چاہتے تھے اور نہ انکے دِل میں رِیا تھی، نہ جھوٹا بہانہ، نہ کوئی دوسری دُنیاوی غرض مثلاً غنیمت وغیرہ شامل تھی اور وہ شامل نہ ہو کر وہ اس محرومی پر سخت رنجیدہ تھے گویا کہ ایک بہت بڑا گناہ ان سے سرزد ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان (خوشخبری) نے انکے دِلوں کو سکون بخشا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے ننانوے (۹۹) قتل کئے پھر اس کو توبہ کا خیال آیا تو وہ ایک عالم کے پاس گیا۔ اس عالم نے کہا کہ تمہاری توبہ کی کوئی اُمید نہیں ہے تو اس نے غصّے میں آ کر اس کو بھی قتل کر دیا۔ اس طرح اس کے سو (۱۰۰) قتل ہو گئے لیکن پھر بھی اس کے دِل میں توبہ کرنے کا پُرخلوص جذبہ موجود تھا۔ اس نے ایک آدمی سے بات کی تو اس نے بتایا کہ فلاں گاؤں میں ایک اللہ تعالیٰ کے بندے رہتے ہیں، ان کے پاس جاؤ تو وہ اس بستی کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں یکدم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب عذاب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور ان میں اس بات پر اختلاف ہوتا ہے کہ اس آدمی کی جان رحمت کے فرشتے نکالیں یا عذاب کے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپا جائے۔ جب فاصلہ ناپا گیا تو وہ بستی جس کی طرف توبہ کیلئے جا رہا تھا، وہ اس کے قریب تر نکلی تو اس کی جان رحمت کے فرشتوں نے نکالی یعنی اس کی توبہ جس پر اس نے ابھی عمل نہیں کیا تھا لیکن نیّت میں پورا خلوص تھا، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی تھی۔ (جنت کی کنجی از سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، ناشر مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۵۲:** عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِیَ اللّٰہُ بِکَلِمَۃٍ سَمِعْتُھَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَیَّامَ الْجَمَلِ بَعْدَ مَا کِدْتُ اَنْ اَلْحَقَ بِاَصْحَابِ الْجَمَلِ فَاُقَاتِلُ مَعَھُمْ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اَھْلَ فَارِسٍ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ امْرَأَۃً۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۱۲۴)

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جمل کے واقعہ میں ایک کلمہ کے سبب نفع دیا جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ بعد اسکے کہ میں اصحابِ جمل سے عنقریب لاحق ہو جاتا اور مسلمانوں سے جنگ کرتا، (وہ یہ کہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو فرمایا، وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی جس نے عورت کو اپنے امور کا والی بنالیا ہے''۔

**نوٹ:** یہ قانونِ فطرت ہے کہ عورت کو انتظامی امور کیلئے تخلیق نہیں کیا گیا، اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو بھی نبی مقرر نہیں فرمایا۔ انسانی تاریخ میں کسی نبی نے بھی کسی عورت کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ کسی نبی کے خلیفہ نے بھی کسی عورت کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کبھی کوئی منصب کسی عورت کو نہیں دیا تھا۔

قرآن حکیم نے اُمہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہنّ اجمعین کے متعلق یوں فرمایا، ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ .....'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳) ترجمہ ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو.....''۔

اُمہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہنّ اجمعین ہر لحاظ سے اُمت کی بہترین عورتیں تھیں۔ اگر عورت کو کوئی انتظامی ذِمّہ داری سونپنی ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں نہ فرماتا کیونکہ انتظام کیلئے بہرحال زیادہ وقت گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، ہم جانتے ہیں کہ انکو کوئی انتظامی عہدہ نہیں دیا حالانکہ ان میں

بعض مثلاً اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت قابلیت رکھتی تھیں۔ وہ قرآن کریم کی حافظہ تھیں اور فقہی معاملات میں وہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پائے کی تھیں۔

خلفائے راشدین کے دَور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی حکومتی عہدہ کسی عورت کو نہیں سونپا۔

عورت دَراصل گھریلو زندگی اور افزائشِ نسلِ انسانی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے، ''**نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** .....'' (البقرۃ ۲، آیت ۲۲۳) ترجمہ ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں.....''۔ عورت کو ذِمّہ داریاں مرد سے مختلف دی گئی ہیں۔ بچوں کی پیدائش اور انکی پرورش عورت کے ذِمّہ ہے۔ پھر گھر کے تمام معاملات کی دیکھ بھال عورت کے ذِمّہ ہے تاکہ مرد اپنی بیرونِ خانہ ذِمّہ داریوں کو پوری صلاحیتوں کے ساتھ اَدا کر سکے۔ اس طرح دَراصل عورت کا مقام زندگی کی گاڑی میں جسکا ڈرائیور مرد کو بنایا گیا ہے، ایک معاون کے طور پر رَکھا گیا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ**'' (النساء ۴، آیت ۳۴) ترجمہ ''(کہ ہم نے) مردوں کو عورتوں کا گارڈین (Guardian) بنایا اور ایک کو دوسرے پر یعنی مرد کو عورت پر فضیلت دی''۔ ظاہر ہے کہ گارڈین (Guardian) اسی **مرد، بچہ یا عورت** کا بنایا جاتا ہے **جو اپنے معاملات کا فیصلہ خود کرنے کی صلاحیت نہیں رَکھتا**۔ اسی لئے نکاح کے وقت عورت کا وَلی مرد ہوتا ہے جبکہ مرد خود اپنا وَلی ہوتا ہے۔ **اگر عورت خود اپنے معاملات کے متعلق دانشمندی سے فیصلہ نہیں کر سکتی تو وہ حکمران بننے پر قوم کے متعلق دانشمندانہ فیصلہ کیسے کر سکے گی؟**

سائنس کی رُو سے عورت **نفسیاتی، جسمانی، ایمانی** اور **عقلی** لحاظ سے مرد کی نسبت بہت کمزور ہے، اسلئے فطرت نے اس میں انتظامی صلاحیتیں اتنی نہیں رکھیں جتنی کہ مرد میں رکھی ہیں۔ عورت کا سربراہ بنایا جانا قانونِ فطرت کے خلاف ہے اور اس کے نتائج عام طور پر اچھے نہیں نکل سکتے۔ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۵۳:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○" فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَمَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِکَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۱۶۳)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب امام "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○" کہے تو تم "اٰمِیْنَ" کہو۔ پس جس شخص کا قول (آمین) فرشتوں کے قول (آمین) کے موافق پڑا، اسکے پہلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

**نوٹ:** جب امام نماز میں قرأت کرتا ہے تو فرشتے بھی قرأت سننے کیلئے آ جاتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ ختم ہونے پر جب نمازی آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی سورت ختم ہونے پر آمین کہتے ہیں۔ اگر نمازی اور فرشتوں کی آمین ایک ہی وقت میں واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نمازی کی آمین کو فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے قبولیت بخشتا ہے اور اسکے نتیجہ میں نمازی کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تلاوت قرآن ایک افضل ترین عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا، "تم میں افضل ترین آدمی وہ ہے جو قرآن حکیم کو سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے" (مشکوٰۃ، بخاری) نماز میں قرآن حکیم کا تلاوت کرنا اور بھی زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ گھوڑا سامنے بندھا ہوا تھا، اس نے کودنا شروع کر دیا۔ جب حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی رُک گیا۔ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر کودنے لگا جب حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہوئے تو گھوڑا پھر رُک گیا۔ اس طرح چند مرتبہ ہوا۔ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا گھوڑے کے قریب تھا، اسلئے انہیں خیال ہوا کہ کہیں یہ گھوڑا بچے کو نہ روند ڈالے۔ اسی دوران حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اپنا منہ آسمان کی جانب کیا تو دیکھا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور ان میں چراغ کی طرح روشنی چمک رہی ہے۔ صبح کو حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر سارا واقعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے ابن حضیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم پڑھتے رہتے، اے ابن حضیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم پڑھتے رہتے''۔ حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، ''مجھے یہ ڈر ہوا کہ گھوڑا میرے بچے کو نہ روند ڈالے۔ میرا بچہ یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا۔ میں نے اسکو سرکا کر اپنے قریب کر لیا اور پھر آسمان کی جانب نظر کی تو وہی بادل نظر آئے جن میں روشنی تھی۔ جب میں وہاں سے ہٹا تو وہ مجھے نظر نہ آئے''۔ یہ سن کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ سب کیا تھا؟'' حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، ''نہیں''۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''یہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سننے کے لیے آئے تھے۔ اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح تک فرشتے حاضر رہتے اور لوگ انہیں دیکھتے اور وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہتے''۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل، حدیث ۲۰۱۴)

جب بھی قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے خواہ نماز میں ہو یا بغیر نماز کے، خواہ مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر، اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے قرآن حکیم سننے کیلئے آ موجود ہوتے ہیں۔ اس موقع پر دُعا کے قبول ہونے کی توقع زیادہ ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران یا بعد میں آپکو اپنی آخرت اور دُنیا کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیے اور آخر میں ضرور آمین کہنا چاہیے تاکہ فرشتے بھی آپ کے ساتھ آمین کہہ سکیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ آپ کی دُعا قبول ہوگی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۵۴**: عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ مَلَأَ اللّٰہُ قُبُوْرَھُمْ وَبُیُوْتَھُمْ اَوْ اَجْوَافَھُمْ ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۲۱۸)

**ترجمہ**: امیر المؤمنین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کے روز فرمایا، ''مشرکوں نے ہمیں نمازِ وسطٰی سے روکا حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا۔ اللہ ربّ العزت ان کی قبریں اور پیٹ آگ سے بھر دے''۔

---

**نوٹ**: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نمازِ وسطٰی عصر کی نماز ہے۔ نمازِ عصر کی بڑی فضیلت اور چھوڑنے کی وعید آئی ہے۔ ''حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ق وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۲۳۸) ترجمہ ''(تمام) نمازوں کی پابندی رکھو اور (خصوصاً) درمیانی نماز یعنی عصر کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزوں کی طرح کھڑے ہوا کرو''۔

حضرت ابو ملیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اس روز بادل چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نماز جلدی پڑھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اسکی مزدوری ضائع ہوگئی''۔ (سنن نسائی، جلد اوّل، حدیث ۴۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس شخص کی عصر کی نماز قضا (فوت) ہوگئی گویا کہ اسکا گھر بار لٹ گیا''۔ (سنن نسائی، جلد اوّل، حدیث ۴۸۲) یعنی عصر کی نماز بغیر شدید مجبوری کے چھوڑنے سے آخرت کے گھر کا نقصان ایسے ہو جاتا ہے جیسے دُنیا کے گھر کی چوری سے سب کچھ لٹ جاتا ہے اور آپ تہی دَست ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

نمازِ عصر کی اہمیت شاید اسلئے زیادہ بتائی گئی ہے کہ یہ وقت ہر انسان کے کاروبارِ زندگی کا انتہائی مصروفیت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا جو اپنی دُنیاوی مصروفیات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو اَجر بھی بہت دے گا اور جو اپنی دُنیاوی مصروفیات میں گم رَہ کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے گا، دُنیا اور آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہو جائے گا۔

جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر عصر کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں، غصّے میں آ کر دُشمنوں کو گالی دیتے ہیں۔ گالی دینا بداخلاقی کا مظاہرہ ہے جو ایک اعلیٰ مرتبے کے صحابی سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے انسان سے گالی کے متعلق منقول ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عصر کی نماز قضا ہونے سے کتنا دُکھ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رَکھ سکے۔

ذرا سوچئے کہ ہم نماز کے قضا ہونے کو معمولی بات سمجھتے ہیں حالانکہ کوئی نماز خاص طور پر نمازِ عصر کا قضا ہو جانا انتہائی خسارے کی بات ہے۔ ہماری اسی سستی، کم ہمتی اور احکامِ الٰہی پر عمل نہ کرنے کو معمولی سمجھ لینے کے نتائج یہ نکلتے ہیں کہ ہم دُنیا میں بھی ذلیل ہو رہے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دِل میں پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں دُنیا اور آخرت میں اپنی رحمتوں سے دُور نہ فرمائے (آمین)۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۵۵:** عَنْ عُبَیْدِ بْنِ عُمَیْرٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَوْمًا لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْمَ تَرَوْنَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ نَزَلَتْ "اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ"....." قَالُوْا اَللّٰہُ اَعْلَمُ فَغَضِبَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ قُوْلُوْا نَعْلَمُ اَوْ لَانَعْلَمُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا فِیْ نَفْسِیْ مِنْھَا شَیْءٌ" یَااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَاابْنَ اَخِیْ قُلْ وَلَا تَحْقِرْ نَفْسَکَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا ضُرِبَتْ مَثَلًا لِعَمَلٍ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَیُّ عَمَلٍ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِعَمَلٍ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لِرَجُلٍ غَنِیٍّ عَمِلَ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ بَعَثَ اللّٰہُ لَہٗ الشَّیْطَانَ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِیْ حَتّٰی اَغْرَقَ اَعْمَالَہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۲۲۴)

**ترجمہ:** حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ ایک دِن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا، ''کیا تم اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول جانتے ہو؟ ''اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ لا لَہٗ فِیْھَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ لا وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ صلے فَاَصَابَھَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ○''(البقرۃ ۲، آیت ۲۶۶) ترجمہ ''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اسکا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جسکے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں (اور) اسکے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اسکا بڑھاپا آ چکا ہو اور اسکے عیال کمزور ہوں۔ اس (باغ) پر ایک بگولا آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے؟ اللہ تعالیٰ اسی طرح

تمہارے لیے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم فکر سے کام لو''۔ انہوں نے کہا، ''اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے''۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصّہ سے بھر گئے اور فرمایا، ''یوں کہو! ہم جانتے ہیں یا کہو! ہم نہیں جانتے ہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''اے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اسکے متعلق میرے دِل میں خیال آیا ہے''۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''اے میرے بھتیجے! کہو (کیا جانتے ہو؟) اور اپنے آپکو کمتر خیال نہ کرو''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''یہ عمل کی مثال بیان کی گئی ہے''۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا، ''کونسا عمل؟'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''بس عمل کی'' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فرمایا، ''**یہ ایک امیر آدمی کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عمل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکے پاس شیطان بھیجتا ہے تو وہ بُرے عمل کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ اسکے سارے نیک اعمال تباہ کر دیتا ہے**''۔

---

**نوٹ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہے پھر آخری عمر میں تقدیر غالب آتی ہے اور وہ بُرائی کے کام شروع کر دیتا ہے اور جہنم اس پر واجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ساری عمر بُرے کام کرتا رہتا ہے پھر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ نیک کام شروع کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں بھیج دیتا ہے۔ (دیکھیں جامع ترمذی، جلد اوّل، باب تقدیر کے متعلق، حدیث شریف ۱۹۶۲)

نیکی کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو شیطان کے حملے سے محفوظ رکھتا ہے مثلاً اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں فرمایا، ''**وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝**'' (البقرۃ ۲، آیت ۴۵) ترجمہ ''(ہر نیکی اور مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور وہ (صبر اور نماز) یقیناً لوگوں پر بھاری ہے لیکن

ان پر نہیں جو اللہ رَبّ العزت کا خوف رَکھتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صبر اور نماز کا بار بار ذکر فرمایا ہے کہ شیطان سے محفوظ رہنے کیلئے یہ تمہارے پاس دو بہترین ہتھیار ہیں۔ صبر بھی '' صبرِ جمیل'' ہونا چاہیے اور نماز بھی ایسی ہونی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول ہو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کا خوف دِل میں ہو کہ آیا میری نماز قبول بھی ہو گی یا نہیں پھر انسان اس خوف کے اَثر سے اپنی نماز میں خشوع و خضوع (یعنی توجہ) جو کہ نماز کی روح ہے، پیدا کر لیتا ہے۔ صبر اور نماز جس معیار کے ہوں گے، اللہ تعالیٰ اُسی معیار سے اپنے بندے کو شیطان کے حملے سے محفوظ رَکھے گا۔

ایسے لوگ جو پہلے نیکی اور بعد میں بُرائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اُن میں حقیقتاً اللہ رَبّ العزت کے خوف کی کمی ہوتی ہے کیونکہ متقی انسان شیطان کے داؤ میں نہیں آتا۔ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا ہے، ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝'' (البقرۃ ۲، آیت ۲) ترجمہ ''یہ وہ کتاب (قرآن حکیم) ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں (کہ یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہے) اور یہ صرف متقیوں ہی کو ہدایت دیتی ہے''۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان متقیوں پر غلبہ حاصل کر لے۔

دوسری قسم کے انسان وہ ہیں جو بُرائیاں تو کرتے ہیں لیکن انکے دِل میں کسی نہ کسی درجے کا اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنی طرف اس خوف کی وجہ سے آنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور وہ اپنے بُرے ماحول کو چھوڑ کر اچھے ماحول میں چلے جاتے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کا خوف رَکھتے ہیں اور اُنکا انجام بھی بخیر ہوتا ہے اور دوسرے لوگ جو شروع سے ہی بُرائیاں کرتے ہیں لیکن انکے دِل میں اللہ تعالیٰ کا خوف کسی درجے کا بھی نہیں ہوتا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور رہتے ہیں اور شیطان مرتے دَم تک ان پر غالب رہتا ہے اور انکا انجام بھی بُرا ہوتا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۵۶:** عَنْ شَرِیْکُ بْنُ اُبِیْ نَمِرٍ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ یَسَارٍ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمْرَةَ الْاَنْصَارِیَّ قَالَا سَمِعْنَا اَبَاهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ تَرُدُّهٗ التَمْرَةُ وَالتَمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ اِنَّمَا الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَتَعَفَّفُ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ یَعْنِیْ قَوْلَهٗ "لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا"۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۲۲۵)

**ترجمہ:** حضرت شریک بن ابی نَمِر سے مروی ہے کہ حضرت عطاء بن یسار اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمر انصاری نے کہا۔ ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ روایت کرتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مسکین وہ نہیں جسکو ایک اور دو کھجور اور لقمہ اور دو لقمے دَر بدر پھرائیں (جو ایک دو لقموں کیلئے دَر بدر پھرتا ہے)، **مسکین وہ شخص ہے جو مانگنے سے احتیاط کرے**۔ اگر جاننا چاہتے ہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو "لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا"۔ (البقرۃ ۲، آیت ۲۷۳) ترجمہ ''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے''۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صدقہ و خیرات دینے کے بارے میں یوں فرمایا ہے، ''.....وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتُظْلَمُوْنَ ○ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ذ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ج لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ''○ (البقرہ ۲، آیت ۲۷۲-۲۷۳) ترجمہ ''اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو، تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور تم پر (ذرا بھی) زیادتی نہ کی جائے گی۔ (اصل) حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس درجہ مصروف ہیں کہ زمین پر روزی کی تگ و دَو نہیں کر سکتے۔ ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے اور سوال سے اجتناب کرنے کے باعث جاہل انہیں غنی سمجھتا ہے۔ تم انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لو

گے۔ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو مال تم خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کا خوب جاننے والا ہے''۔

جو لپٹ کر مانگنے والے ہوتے ہیں، وہ عادی بھکاری ہوتے ہیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ جمع کرنے کے لالچ میں ہوتے ہیں۔

جون ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے کہ میں راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں ڈیوٹی پر موجود تھا کہ کچھ لڑکے ایک بھکاری کو دوپہر کے وقت اُٹھا کر ہسپتال لائے۔ وہ ہیٹ سٹروک (Heat Stroke) کی وجہ سے بے ہوش تھا۔ لڑکوں کے پاس ایک بھاری گٹھڑی بھی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اسکی ''کمائی'' ہے۔ وہ سِکّوں سے بھری ہوئی گٹھڑی تھی جسکا وزن اندازاً پندرہ (۱۵) کلو تھا۔ علاج کے چند منٹ کے بعد وہ ہوش میں آیا اور فوراً اس نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور میں نے اسکے چہرے پر پریشانی کے اَثرات دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میری جیب میں دو (۲۰۰) سو روپیہ تھا، وہ نہیں ہے۔

عام بھکاری جو ہمیں سڑکوں پر نظر آتے ہیں، وہ صحیح معنوں میں ضرورت مند نہیں ہوتے۔ صحیح ضرورت مند انسان مانگنے میں شرم محسوس کرتا ہے **لیکن مؤمن میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ ضرورت مند انسان کو قیافے سے پہچان لے اور اسی کو صدقہ دینے میں ترجیح دے۔**

ہمارے معاشرے میں مانگنے کا رواج بہت ہی زیادہ پڑ گیا ہے۔ میں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بھی دیکھا کہ جو مانگنے والا شخص ملا، وہ پوچھ گچھ کرنے پر آخر میں ہمارا ہی بھائی نکلا۔ مسجدوں کے قریب اور خانقاہوں میں آپکو مانگنے والوں کی کثیر تعداد نظر آتی ہے۔ دَراصل بھیک مانگنے والے مستحق لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپاہج ہوں، بوڑھے ہوں (جو کام نہ کر سکیں)، یتیم ہوں (جو ابھی کام کرنے کے لائق نہیں ہیں)، بیوہ عورتیں ہیں جنکا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعداد کم دیکھی گئی ہے اور صحتمند مانگنے والے انکی دیکھا دیکھی زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفہیم القرآن میں ایک حدیث شریف کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ **صحت مند نوجوان کو خیرات دینا حرام ہے۔**

معذور لوگوں کی مدد کرنا حکومت کا ذمّہ ہے۔ بیواؤں، یتیم، اپاہج، بہت بوڑھے جنکی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہیں، حکومت سے مدد کے طالب ہوتے ہیں لیکن ہماری حکومتیں صرف اپنی ذات تک مفادات کو محدود رکھتی ہیں۔ جو کچھ تھوڑا بہت عوام کا کام کرتی ہیں، وہ صرف سیاسی نقطہء نگاہ سے کر رہی ہوتی ہیں۔ ان میں **خلوصِ نیّت اور جذبہء انسانیت ہرگز نہیں ہوتا**۔ بھیک مانگنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز **بھیک مانگنے والے کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا**۔ ہماری حکومتیں دوسرے **ممالک اور بین الاقوامی اداروں سے بھیک مانگنے میں ذرا بھی حیا نہیں کرتیں۔ اُدھار کی اجازت ہے بشرطیکہ سود پر نہ لیا جائے اور وقت پر اَدا کر دیا جائے اور مزید یہ کہ احسن طریقہ سے اَدا کیا جائے۔**

ہمارا آئین کہتا ہے کہ کوئی قانون قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **کے خلاف نہیں بنایا جائے گا** لیکن یہ تو نہیں کہتا کہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **کے مطابق بھی** کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ حضرات خلفائے راشدین کی حکومتوں میں معاشرے میں معذوروں، مسکینوں اور محروموں کیلئے حکمران میں **احساسِ ذمّہ داری** اتنا شدید تھا کہ **حضرت عمر فاروق** رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر نیل کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر جائے تو اسکے متعلق قیامت کے روز عمر سے پوچھ ہوگی۔ دَراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر شخص راعی ہے اور تم سے قیامت کے دِن تمہاری رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیسے دیکھ بھال کی تھی مثلاً **والد** اپنے خاندان کا راعی ہے، **افسر انچارج** ایک علاقے کا راعی ہے، **وزیر اعظم صدر وغیرہ** پورے ملک کے راعی ہیں لہٰذا ان سب سے پوچھا جائے گا کہ **اپنی رعایا کے بارے میں اپنی ذمّہ داریاں کیسے اَدا کیں؟**

**آئین کے ساتھ ہمارا رویّہ** وہی ہے جو قرآن کریم کے ساتھ روا رَکھا ہوا ہے۔ نہ ہم اِس پر عمل کرتے ہیں، نہ اُس پر۔

**وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۵۷:** عَنْ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ قَالَھَا اِبْرَاھِیْمُ حِیْنَ اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَقَالَھَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَالُوْا اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔
(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۲۴۸)

**ترجمہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ'' (ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے'') حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت فرمایا جس وقت انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا اور سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی یہی پڑھا تھا جب لوگوں (منافقین اور کفار) نے کہا کہ دُشمن تمہارے لیے جمع ہو رہے ہیں، ان سے ڈَرو تو ان کا ایمان اَور زیادہ ہو گیا اور انہوں نے کہا، ''اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے، وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے''۔

**نوٹ:** یہ دُعا اور اس سے ملتی جلتی دُعا قرآن حکیم میں اَور جگہوں پر بھی آئی ہے۔ ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام دُشمنوں کیلئے اپنے بندوں کے واسطے اپنے بندوں کی مدد کیلئے کافی ہے، وہ کسی اَور کی مدد کا کسی طریقے سے بھی محتاج نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہی تمام پر غالب آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ'' ○ ''(الحج ۲۲، آیت ۷۴) ترجمہ ''بلاشبہ (کائنات میں) اللہ تعالیٰ ہی طاقتور اور زبردست ہے'' (اور کوئی نہیں)

اللہ تعالیٰ خود مزید فرماتا ہے، ''ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ج ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ ''(الحشر ۵۹، آیت ۲۲-۲۳-۲۴)

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا۔ وہی نہایت مہربان ہے، بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، اَمن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑا عظمت والا ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے۔ وہی اللہ تعالیٰ تو پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے۔ صورت بنانے والا ہے، اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے''۔

یہ دُعا زیرِ بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس وقت کی جب مدینہ طیبہ کے کافرین (یہود ونصاریٰ) نے مسلمانوں کو ڈَرانے کے لیے افواہ اُڑا دی کہ عرب کے سب لوگ تم پر چڑھائی کرنے کیلئے جمع ہو رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کافرین کو کہا کہ ہمارے ساتھ تو اللہ تعالیٰ ہے خواہ کتنے بھی دُنیا کے لوگ جمع ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اکیلا ہماری مدد کے لیے اُن سب پر بھاری ہے، ہم ڈَرنے والے نہیں ہیں۔ کائنات میں جتنی بھی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ اُن سب کا اکیلا مقابلہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کائنات کو تخلیق کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اگر وہ چاہے تو آناً فاناً میں پوری کائنات کو تباہ کر دے اور اگر چاہے تو ایسی ہی ایک دوسری کائنات آناً فاناً میں بنا ڈالے۔ کیا ہم بھول گئے کہ ہم نماز کے وقت خاص طور پر ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کئی دفعہ دہراتے ہیں۔ ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ کائنات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر طاقتور نہیں ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بجائے اس کے کہ ایسی افواہوں سے ڈَر جاتے، وہ اَور زیادہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے مرنے کے لیے دِلی طور پر تیار ہو گئے اور ان کا ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔

ایمان ایک ایسی داخلی قوت ہے جو کسی کی دُشمنی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ جسکے ساتھ

اللہ رَبّ العزت ہو، اسکو اَور کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ایسا ہے کہ ''اَللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر''۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے کی پوری پوری قدرت رَکھتا ہے۔ اگر ساری کائنات مل کر اللہ تعالیٰ کے خلاف ہو جائے تو وہ اسکا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتی اور اگر وہ ساری مخلوق کو آناً فاناً ختم کرنا چاہے تو کوئی اسکو روک نہیں سکتا۔

**ایمان کے درجات ہیں**۔ اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا کہ تمہیں آگ میں ڈالا جائے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کس چیز کا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے **اور اس سے بڑھ کر کس کی طاقت زیادہ ہے اور اس سے بڑھ کر کون سی طاقت قابلِ اعتماد ہے؟** یہی مطلب ہے اس مختصر دُعا کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت مشرکین کو بتا دیا ''حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ'' ترجمہ ''ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ کی کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین کارساز ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کی ستّر (۷۰) سے زیادہ شاخیں ہیں۔ سب سے افضل یہ ہے ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہے اور سب سے کم درجہ **ایمان** کا یہ ہے کہ راستہ سے ہڈی (کانٹے، پتھر) کو ہٹا دے (جسکی وجہ سے راہ گیروں کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو) اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے'' (ابوداؤد، جلد سوم، حدیث ۱۲۵۱)

**ذرا ٹھہریے اور غور کیجئے** کہ ہمارا ایمان کس درجے پر ہے؟ مجھے روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے اور آپ بھی دیکھتے ہوں گے کہ ہمارے راستے کئی طریقوں سے روک لیے جاتے ہیں۔ کہیں تجاوزات ہیں، کہیں اینٹیں رَکھی ہوئی ہیں، کہیں گٹر اُبل رہا ہے، کہیں عین سڑک کے درمیان گاڑی کھڑی کر کے ڈرائیور بات کر رہا ہے، کہیں نوجوان سڑکوں پر کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں، کہیں شادیوں کیلئے گلیوں میں خیمے لگا دیئے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے گلی بند ہو جاتی ہے یا بڑی سڑک پر لگا کر پوری سڑک کو بند کر دیا جاتا ہے، یہ ایسے عمل ہیں جو آپکو روزمرہ دیکھنے میں نظر آتے ہیں۔ انہی باتوں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے ایمان کا درجہ کیا ہے؟ یعنی یہ سب سے نچلا دَرجہ ایمان کا ہے جس پر ہم جی رہے ہیں، اسکے بعد ایمان کا درجہ کوئی نہیں ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی درجے میں بھی مؤمن ہیں؟ **وَمَا عَلَیۡنَآ اِلَّا الۡبَلَاغ**

**حدیث ۵۸:** عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوةَ مِثْلَ لَهٗ مَالُهٗ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَأْخُذُ بِلَهْزَمَتَیْهِ یَعْنِیْ شِدْقَیْهِ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ "وَلَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۲۵۰)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جسکو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اسکی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اسکا مال اس کیلئے گنجا سانپ بنا دیا جائے گا (قیامت کے روز) جسکی آنکھوں پر سیاہ نشان ہوں گے۔ قیامت کے دِن وہ (یعنی سانپ) اسکی گردن کا طوق (پٹہ) بنا دیا جائے گا اور وہ منہ کے دونوں کناروں سے اسکو پکڑے گا اور کہے گا، ''میں تیرا خزانہ ہوں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''وَلَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' الایۃ''۔

**نوٹ:** پوری آیت مبارکہ یہ ہے:

''وَلَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَیُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۸۰) ترجمہ ''اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے (یعنی حلال رزق سے) دے رکھا ہے۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ انکے حق میں کچھ مفید ہے۔ نہیں! بلکہ انکے حق میں (بہت) بُرا ہے۔ یقیناً انہیں قیامت کے دِن گلے میں اس مال کا سانپ بنا کر پٹہ پہنایا جائے گا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو، اس سے پوری طرح واقف ہے''۔

اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اپنے مال کی **پوری زکوٰۃ** ادا کر دیتا ہے، وہ بخیل تصور نہیں کیا جائے گا۔

زکوٰۃ دَراصل غریبوں کا حق ہے۔ جو شخص زکوٰۃ کے نصاب میں آتا ہے اور وہ زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا تو دَراصل غریبوں پر ظلم کر رہا ہے اور انکا حق کھا رہا ہے اور اپنے پیٹ کو آگ سے بھر رہا ہے۔ قیامت کے دِن اس ظلم کا بدلہ اس سے ایسے لیا جائے گا کہ اسکا مال سانپ کی شکل میں اس پر مسلّط کر دیا جائے گا۔

یہی حال حکومت کے اُن کارندوں کا ہوگا جو لوگوں سے لی گئی زکوٰۃ کے مال کو ناجائز طریقے سے اپنی یا اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی ضروریات میں خرچ کرتے ہیں۔ حکومت کے پاس جو پیسہ زکوٰۃ کا جاتا ہے، وہ تو **غریب لوگوں کی امانت** ہے۔ **جو بھی اُس امانت میں خیانت کرے گا، اسکا حشر بھی قیامت میں یہی ہوگا کہ سانپ اس پر مسلّط کر دیئے جائیں گے۔**

**وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۵۹:** عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ "قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِکُمْ" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ "اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ" قَالَ "اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ" قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ "اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ" قَالَ "اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ "ھٰذَا اَھْوَنُ" اَوْ قَالَ "ھٰذَا اَیْسَرُ"۔ (تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۳۱۴)

**ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "جب یہ آیت کریمہ "قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِکُمْ" نازل ہوئی "تم اعلان کردو کہ وہ قادر ہے تمہارے اوپر سے تم پر عذاب بھیجے" تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ" "میں تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ "اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ" "یا تمہارے نیچے سے" تو فرمایا "اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ" "میں تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ "اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ" "یا تمہیں لڑادے مختلف گروہ کرکے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھائے" تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "یہ ہلکا اور آسان ہے"۔

---

**نوٹ:** قرآن کریم کی پوری آیت مبارکہ یہ ہے:

"قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ ○" (الانعام ۶، آیت ۶۵)

ترجمہ "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمادیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اُوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کردے اور تمہیں ایک کو دوسرے سے لڑائی کا مزہ چکھادے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیکھئے! ہم کس

کس طرح دلائل کو بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ سمجھیں''۔

**یہ حدیث شریف ہماری موجودہ حالت کی پوری ترجمانی کرتی** ہے۔ہمیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بخشے اور ہم پر رحم فرمائے۔کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم پر شدید سیلاب بھی آ جاتے ہیں یعنی اوپر سے عذاب، سخت زلزلے بھی آئیں ہیں یعنی پاؤں کے نیچے سے عذاب اور سیاسی و مذہبی فرقہ واریت کا عذاب تو ہمیں ڈوبے لیے جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ میں کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتی،''**لَـهٗ مُـعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْـنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِـهٖ مِنْ وَّالٍ ۝**''(الرعد۱۳،آیت۱۱)ترجمہ''ہر ایک کیلئے فرشتے ہیں،آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنی حالت نہ بدلے، اللہ تعالیٰ اسکی حالت نہیں بدلتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکا مددگار نہیں ہوتا''۔

**اِصلاح کے تین اقدام ہیں**۔اوّلاً اللہ رَبّ العزت سے توبہ کرو کہ جو کچھ مجھ سے اور ہم سے ہوگیا ہے، اسکو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔**ثانیاً** آئندہ صراطِ مستقیم پر چلنے کا مصمّم اِرادہ کرلو۔**ثالثاً** اِس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہر تکلیف اور مصیبت صبر سے برداشت کرنے کا مصمّم ارادہ کرتے رَہو تو ایک وقت آئے گا کہ ہر فرد اور قوم واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتے ہوئے نظر آئیں گے۔

جب بیشتر افراد صحیح راستے اور صحیح طریقے (یعنی صراطِ مستقیم) سے اپنے کاموں کو سرانجام دیں گے تو وہ قوم ایک مضبوط قوم بن جائے گی اور اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ انکو عزت اور غلبہ دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کریں گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ انکو انکے اعمال کا بہترین صلہ دے گا یعنی جنت جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔وہاں نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی غم، نہ کوئی مصیبت نہ کوئی تکلیف۔ ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

**حدیث ۶۰:** عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَااَحَدَ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ وَلِذَالِکَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَمِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَلَا شَیْءٌ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰہِ وَلِذٰلِکَ مَدَحَ نَفْسَہٗ ۔(تفہیم البخاری، جلد ششم، حدیث ۴۳۲۰)

**ترجمہ :** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیّور نہیں، اسی لئے ظاہر اور چھپی ہوئی بے حیائیوں کو حرام کیا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو مدح پسند نہیں، اسی لئے اپنی ذات کی خود مدح کی ہے''۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے، ''ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ج ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ ''(الحشر ۵۹، آیت ۲۲-۲۳-۲۴) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جاننے والا ہے غائب اور ظاہر کا۔ وہ نہایت مہربان ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی ہے، اَمن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، اپنا حکم نافذ کرنے پر زبردست ہے، اپنی شان میں بہت بڑا ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے۔ وہی تو ہے جو پیدا کرنے والا ہے اور جو صورت گری کرتا ہے، اسی کے سب نام اچھے نام ہیں۔ اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے''۔

ایک اَور جگہ بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَھُوَ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ط لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ز وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○ ''(القصص ۲۸، آیت ۷۰) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ وہی ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ (سب) تعریف اسی کی ہے دُنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اور حکومت بھی اسی

کی ہے اور اسی کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے''۔

یہ انسان کی صلاحیت سے باہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کر سکے جو اسکے شایانِ شان ہو، اسی بے بسی کو تسلیم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے نے اللہ تعالیٰ کی یوں تعریف کی، ''**یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ**'' ترجمہ ''اے اللہ جل جلالہٗ! تیرے لیے ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے''۔ فرشتے اس معاملے میں متحیر ہوئے اور فیصلہ نہ کر سکے کہ اسے کس طرح لکھیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا خدایا! تیرے بندے نے تیری تعریف ایسی کی ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح لکھیں؟'' یہ جانتے ہوئے بھی کہ بندے نے کیا کہا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سوال کیا ''میرے بندے نے کیا کہا؟'' فرشتوں نے عرض کیا ''اس نے کہا، اے اللہ جل جلالہٗ! تیرے لیے ایسی ہی تعریف ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ''اسی طرح لکھ دو جس طرح میرے بندے نے کہا ہے۔ قیامت کے دِن جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں خود اسے اسکی جزا دوں گا'' یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کو اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے کا اَجر بے حساب دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ الفاتحہ کی تفسیر میں، فی ظلال القرآن، سورۂ الفاتحہ کی تفسیر میں)

اس بندے نے جن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی۔ ہمیں چاہیے کہ اس دُعا کو ازبر یاد کر لیں اور نماز میں یا نماز کے بعد یہ دُعا کرنے کا معمول بنالیں۔ آپکی آسانی کیلئے ہم یہاں دوبارہ تحریر کر دیتے ہیں، ''**یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ**'' ترجمہ ''اے اللہ رَبّ العزت! تیرے لیے ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے''۔

**وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

**حدیث ۶۱**: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا اُمِرْنَا بِالصَّدَقَۃِ کُنَّا نَتَحَامَلُ فَجَآءَ اَبُوْعَقِیْلٍ بِنِصْفِ صَاعٍ وَجَآءَ اِنْسَانٌ بِاَکْثَرَ مِنْہُ فَقَالَ الْمُنٰفِقُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنْ صَدَقَۃِ ھٰذَا وَمَا فَعَلَ ھٰذَا الْاٰخَرُ اِلَّا رِیَآءً فَنَزَلَتْ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ ۔
(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۳۵۲)

**ترجمہ** : حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''جب ہمیں صدقہ کا حکم دیا گیا تو ہم مزدوری کرتے (بوجھ اُٹھا کر اُجرت لیتے)''۔ حضرت ابوعقیل نصف صاع صدقہ لے کر آئے اور ایک اور انسان اس سے زیادہ صدقہ لایا تو منافقوں نے کہا، ''اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے بے نیاز ہے اور دوسرے انسان نے یہ ریا کاری کی ہے'' تو یہ آیت کریمہ ''اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ ط سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ ز وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۷۹) ترجمہ ''یعنی وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو دِل سے خیرات کرتے ہیں اور انکو جو نہیں پاتے مگر اپنی مزدوری سے تو ان پر ہنستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی ہنسی کی سزا دے گا اور ان کیلئے دَردناک عذاب ہے''۔

**نوٹ**: اللہ ربّ العزت کے نزدیک صدقہ کی قیمت دُنیاوی قیمت کے مطابق نہیں ہے بلکہ انسان کے خلوص پر ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا، ''لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَادِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوْا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ○'' (الحج ۲۲، آیت ۳۷) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کو نہ انکا گوشت پہنچتا ہے اور نہ انکا خون البتہ اسکے پاس تمہارا تقویٰ (خلوصِ نیّت) پہنچتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انکو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں

ہدایت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ تمہارا اَجر، قربانی یا صدقہ دیتے وقت جانور کی قیمت پر منحصر نہیں ہے بلکہ تمہارے تقویٰ پر یعنی خلوصِ نیّت پر منحصر ہے۔

ہمیں کسی کی نیّت پر شک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نیّت کا جاننے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمیں ہمیشہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں یہ بہت کثرت سے بولا جاتا ہے کہ فلاں نے رِیا کی خاطر، فلاں نے مشہوری کی خاطر، فلاں نے تجارت کی خاطر یہ نیکی کا کام شروع کیا ہوا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دِل کو ان کدورتوں سے پاک رَکھیں اور نیک کام کرنے والوں سے اچھا گمان رَکھیں اور ان سے تعاون کریں۔

نیکی بذاتِ خود ایک قیمت رَکھتی ہے خواہ وہ ایک کافر کے ہاتھ سے ہی کیوں نہ سرزد ہو۔ اگر کوئی غیر مسلم نیک کام کر رہا ہے، اسکی نیّت کوئی بھی ہو، اسکے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اگر ایک مسلمان بُرا کام کر رہا ہے تو صرف اِسلام کی وجہ سے اسکے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسکے ہاتھ روکنے چاہئیں۔ (مزید وضاحت کیلئے دیکھیں سورۃ المائدہ ۵، آیت ۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه ۝''(الزلزال ۹۹، آیت ۷-۸) ترجمہ ''جس کسی نے بھی ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ قیامت کے روز دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بُرائی کی ہوگی، وہ بھی اسکو دیکھ لے گا'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝''(ھود ۱۱، آیت ۱۱۵) ترجمہ ''(انکی باتوں پر) صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ کسی کے اچھے کام کا اَجر ضائع نہیں فرماتا''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

۝.....۝.....۝

**حدیث ۶۲:** عَنْ صَفْوَان بْنِ مُحْرِزٍ قَالَ بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَطُوْفُ اِذْ عَرَضَ رَجُلٌ'' فَقَالَ يَآبَاعَبْدِالرَحْمٰنِ اَوْ قَالَ يَاابْنَ عُمَرَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا) سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِي النَّجْوٰى؟ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَّبِّهٖ وَقَالَ هِشَامٌ' يَدْنُوا الْمُؤْمِنُ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ فَيُقَرِّرُهٗ بِذُنُوْبِهٖ تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا يَقُوْلُ رَبِّ اَعْرِفُ يَقُوْلُ اَعْرِفُ مَرَّتَيْنِ فَيَقُوْلُ سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَاَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ تُطْوٰى صَحِيْفَةُ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْاٰخِرُوْنَ اَوِ الْكُفَّارُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُؤُسِ الْاَشْهَادِ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۳۶۸)

**ترجمہ** : حضرت صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما طواف فرما رہے تھے۔ اچانک انکے سامنے ایک شخص آیا اور کہا، ''یا اباعبدالرحمٰن! یا کہا یا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)! کیا تم نے نجویٰ (خفیہ مشورہ) کے بارے میں کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟'' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مؤمن کو اسکے رَبّ تعالیٰ کے قریب کیا جائے گا''۔ حضرت ہشام نے فرمایا، ''مؤمن اپنے رَبّ تعالیٰ کے قریب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کرے گا اور اس سے اسکے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، 'ایسا ایسا گناہ پہچانتا ہے؟'' بندہ دو بار کہے گا، ''جی ہاں! پہچانتا ہوں، اے میرے پروردگار! پہچانتا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ''میں نے تیرے گناہوں کو دُنیا میں چھپائے رَکھا اور آج بھی باقیوں سے چھپا کر تیرے سارے گناہ معاف کرتا ہوں''۔ پھر اسکی نیکیوں والا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا (اسکا محاسبہ ہو چکا)۔ دوسرے لوگ یا کفار کو تمام لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رَبّ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تھا۔

**نوٹ:** اکثر لوگ گناہ کرنے کے بعد **فخریہ** لوگوں کو بتاتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بات کو **ناپسند** فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اگر گناہ کرنے کے بعد اسکو بندوں سے چھپا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی چھپائے رَکھتا ہے اور آخرت میں بھی اسکے گناہوں کو چھپائے رکھے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اگر انسان اپنے گناہوں کو **اعلانیہ** کرتا ہے یا **چھپے ہوئے** گناہوں کو بعد میں ظاہر کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسے گناہوں کا محاسبہ اعلانیہ فرمائے گا مگر یہ کہ وہ اپنی زندگی میں ایسے گناہوں سے توبہ کرلے اور اپنی اِصلاح کرلے۔

یہ بات مؤمن کے متعلق کہی گئی ہے جبکہ کافر کے تمام گناہوں کا اعلانیہ حساب ہوگا کیونکہ کافر اعلانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف بات بھی کرتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے، اسلئے قیامت میں اسکا حساب کتاب بھی تمام انسانوں کے سامنے ہوگا اور اسکی ذلّت کو ہر کوئی دیکھ سکے گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶۳**: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِیْ لِلظَّالِمِ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۳۶۹)

**ترجمہ** : حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اسکو گرفت میں لیتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں''۔ پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا، ''وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ط اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○ ''(ھود۱۱، آیت۱۰۲) ترجمہ ''اور تیرا رَبّ تعالیٰ جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اسکی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ فی الواقع اسکی پکڑ بڑی سخت اور دَردناک ہوتی ہے''۔

**نوٹ**: یہ اللہ تعالیٰ کا اَٹل قانون ہے کہ وہ ظالم کو ایک حد تک مہلت دیتا رہتا ہے تا کہ وہ کبھی اپنے عمل پر نظرِ ثانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر کے سیدھے راستے پر آ جائے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سب قوموں کے ساتھ رواں رَکھا ہے۔ جن قوموں کا ذِکر ہے، ان میں صرف ایک قوم یعنی قومِ حضرت یونس علیہ السلام ایسی نکلی کہ جسکو توبہ کی توفیق ہوئی اور اپنی بداعمالیوں سے توبہ کر کے صراطِ مستقیم اختیار کیا۔ باقی جتنی بھی قوموں کا ذِکر ہے، انہوں نے مہلت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں اذیّت ناک اور ذلّت آمیز عذاب سے ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے غائب کر دیا اور انکا بُرا نام بعد میں آنے والوں کیلئے چھوڑے رَکھا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ بُرے نام سے یاد کرنے سے انکے عذاب میں مسلسل زیادتی ہوتی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ وہ کسی کو آسودگی دے کر آزماتا ہے اور کسی کو تنگدستی۔ دونوں حالتوں میں بھی انسان ظالم بن سکتا ہے۔ اگر ایک قوم آسودگی میں ظلم سے باز

رَہے تو اللہ تعالیٰ اسکی آسودگی کو بڑھا دیتا ہے اور وہ اسکے لیے رحمت بن جاتی ہے۔ اگر وہ آسودگی میں ظلم کرتے جائیں تو وہی آسودگی انکے لیے آفت بن جاتی ہے۔

اسکے برعکس اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر مصیبتیں بھیجتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ اس قوم کو آزما رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ قوم ان مصیبتوں کو مدِّنظر رَکھتے ہوئے اپنے اعمال کو درست کرلے، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلے اور صراطِ مستقیم اختیار کرلے تو یہ مصیبتیں اللہ تعالیٰ دُور فرما دیتا ہے اور انہیں آسودگی اور فرحت میں بدل دیتا ہے۔ جو قوم ان مصیبتوں کو یا زمانے کے تغیرات کو سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھتی ہے، وہ اپنے رویّے کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتی اور پھر انہی مصیبتوں میں پھنس کر تباہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس **نا قابلِ تبدیل قانون** کے بارے میں قرآن حکیم میں یوں فرمایا ہے، ''**وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○**'' (الاعراف ۷، آیت ۹۴-۹۵) ترجمہ ''اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا، اسکے باشندوں کو ہم نے تنگدستی اور بیماری میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی پر اُتر آئیں۔ اسکے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ خوشحالی عطا کی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی پھر ہم نے انکو یکدَم پکڑ لیا اور وہ (اسکا) گمان بھی نہیں رَکھتے تھے''۔

مصیبتیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی آئیں اور اتنی سخت آئیں کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ساری دُنیا انکے خلاف تھی۔ زبان سے، ہاتھوں سے جو کچھ بھی دُشمنوں کے بَس میں ہوسکتا تھا، اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس جماعت کو ختم کیا جائے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کا دامن نہیں چھوڑا اور وہ بالآخر کامیاب ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اِسلام کو غلبہ عطا فرما دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انکے لیے دُنیا کے خزانے کھول دیئے لیکن پھر بھی وہ صراطِ مستقیم سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہوئے۔

**یہی رویّہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ مصیبت کے وقت انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رَکھے، صبر سے کام لے اور صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑے۔**

خوشحالی کے وقت بھی اللہ تعالیٰ یہی رویہّ پسند فرماتا ہے کہ انسان خوشحالی میں اپنے ہوش وحواس کو گم نہ ہونے دے اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رَہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی دونوں دَور کی زندگی ہمارے لیے ہمیشہ کیلئے مشعلِ راہ ہے۔

ہمیں چاہیے کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، صبر سے کام لیں اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں اور خوشحالی میں اِترانے سے باز رہیں اور سیدھے راستے کو نہ چھوڑیں۔ یہی فطرت کا قانون ہے جو ہمیں کامیابی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

لیکن انتہائی افسوس ہے کہ ہمارا رویہّ دونوں حالتوں میں حق کے برعکس ہے۔ ہم مصیبت میں گھبرا جاتے ہیں اور خوشحالی میں اِترا جاتے ہیں۔

ایک بات یاد رَکھیں کہ شرک کسی صورت میں بھی ظلمِ عظیم ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث** ۶۴: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۴۰۳)

**ترجمہ** : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس شخص نے اذان سننے کے وقت یہ دُعا پڑھی، اے اللہ تعالیٰ! اس کامل دعوت (یعنی نماز کیلئے اذان) کے رَبّ اور قائم ہونے والی نماز کے رَبّ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما (جنت کا ایک مقام) اور انکو فضیلت عطا فرما اور انکو مقامِ محمود پر پہنچا جسکا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس کیلئے قیامت کے دِن میری شفاعت واجب ہوگی''۔

**نوٹ**: یہ دُعا اذان ختم ہونے پر پڑھا کریں تو اللہ تعالیٰ انشاء اللہ العزیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے آپکو ضرور مستفید فرمائے گا۔

ہم یہاں اس دُعا کو پورا لکھتے ہیں تا کہ آپ اسکو اَزبر یاد کر لیں اور اذان کے بعد اس دُعا کو اپنا معمول بنالیں۔

''اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ''

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶۵:** عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالْمَوْتِ کَھَیْأَۃِ کَبْشٍ اَمْلَحَ فَیُنَادِیْ مُنَادِیَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَشْرَئِبُّوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ فَیَقُوْلُ ھَلْ تَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ وَکُلُّھُمْ قَدْ رَاٰہُ ثُمَّ یُنَادِیْ یَااَھْلَ النَّارِ فَیَشْرَئِبُّوْنَ وَیَنْظُرُوْنَ فَیَقُوْلُ ھَلْ تَعْرِفُوْنَ ھٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ ھٰذَا الْمَوْتُ وَکُلُّھُمْ قَدْ رَاٰہُ فَیُذْبَحُ ثُمَّ یَقُوْلُ یَااَھْلَ الْجَنَّۃِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ وَیَااَھْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَامَوْتَ ثُمَّ قَرَأَ وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْحَسْرَۃِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ وَھٰؤُلَآءِ فِیْ غَفْلَۃٍ اَھْلُ الدُّنْیَا وَھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ ۔(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۴۱۴)

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''موت کو ایسے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا جو زیادہ سفید اور تھوڑا سیاہ ہوتا ہے تو منادی پکارے گا، 'اے جنتیو!' وہ گردنیں اُٹھا کر اس طرف دیکھیں گے۔ وہ کہے گا، 'کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟' وہ کہیں گے، 'جی ہاں! یہ موت ہے'۔ پھر وہ پکارے گا، 'اے دوزخیو!' وہ گردنیں اُٹھا کر اس طرف دیکھیں گے۔ وہ کہے گا، 'کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟' وہ کہیں گے، 'جی ہاں! یہ موت ہے۔ ہر ایک نے اسے دیکھا ہے'۔ پس اس مینڈھے کو ذبح کیا جائے گا۔ پھر وہ کہے گا، 'اے جنتیو! ہمیشہ جنت میں رہو، اب تمہارے لئے موت نہیں۔ اے دوزخیو! ہمیشہ دوزخ میں رہو، اب تمہارے لیے موت نہیں'۔ پھر یہ آیت کریمہ پڑھی ''وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْحَسْرَۃِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ وَّھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○'' (مریم ۱۹، آیت ۳۹) اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! لوگوں (یعنی تمام انسانیت) کو ڈراؤ اُس حسرت کے دِن سے جبکہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا (اور جنت والے جنت میں

چلے جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا) اور یہ لوگ (یعنی مکہ مکرمہ اور اسکے گرد ونواح والے) اس وقت بالکل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (انہیں اس انجام کا علم اور شعور نہیں ہے، اسلئے) وہ ایمان نہیں لاتے''۔

**نوٹ:** جنت کا شوق پیدا کرنے اور جہنم کا خوف اپنے دِل میں رَکھنے کے لیے اس حدیث مبارکہ کو یاد رَکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم یہاں جنت کیلئے مصیبتوں پر صبر کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے صحیح راستے کو نہ چھوڑیں اور اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں رَکھیں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ ہماری غلطیوں کو معاف کر کے اس جنت میں داخل فرمائے گا جسکے بعد کوئی موت نہیں ہوگی۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رَہو گے اور قرآن حکیم میں ہے کہ ''**خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا**ؕ'' (التوبۃ ۹، آیت ۱۰۰) ترجمہ ''وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں یعنی جنت میں رہیں گے''۔

ہم اگر جہنم کا خوف اپنے دِل میں بٹھالیں اور ہر بُرے کام سے اپنے آپکو روکنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور جہنم سے دُور کرتا جائے گا حتیٰ کہ ہم اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک پہنچ جائیں گے اور اس اُمید سے دُنیا کو چھوڑیں گے کہ اللہ تعالیٰ کوتاہیوں کو معاف فرمادے گا [آمین]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گمان کے قریب ہے۔ جیسا گمان اس سے باندھو گے، ویسا ہی اسکو پاؤ گے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رَکھو گے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما کر جنت میں داخل کر دے تو یہ اسکی شانِ کریمی سے بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے فضل سے میرے سب کے سب گناہ اعمال نامے سے حذف فرمادے یا یہ بھی ممکن ہے کہ میری بُرائیوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ کیا آپ نے سوچا نہیں کہ اس ذات کی تعریف کا حق ہم کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ جو ہمارے بُرے کاموں کو بھی نیکیاں بنا کر زیادہ سے زیادہ اَجر دینے کا خواہاں ہے۔ ''**یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ**'' ترجمہ ''اے اللہ جل جلالہٗ! تیرے لیے ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے''۔ اس دُعا کی تفصیل حدیث شریف نمبر ۶۰ کے نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا**

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَايَزْنُوْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ''(الفرقان۲۵، آیت ۶۷-۶۸-۶۹-۷۰) ترجمہ ''اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ بخل بلکہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو معبود نہیں پکارتے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زِنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے گا، وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اسکو دُگنا عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذِلّت کے ساتھ پڑا رہے گا مگر یہ کہ کوئی ان گناہوں کے بعد توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا ہی معاف کرنے والے اور رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ ''(الزمر۳۹، آیت۵۳) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث۶۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا مِنْ بَلْهَ مَااُطْلِعْتُمْ عَلَیْهِ ثُمَّ قَرَأَ "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ" مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِّمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ"** ۔(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث۴۴۶۲)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے (جنت میں) وہ وہ نعمتیں (چیزیں) تیار کی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور کسی کان نے نہیں سنیں اور نہ ہی کسی بشر کے دِل پر انکا خیال گزرا۔ وہ ان نعمتوں میں سے ہیں (جو تم کو قرآن کریم میں) اللہ تعالیٰ نے بتادی ہیں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی ''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ج جَزَآءً م بِّمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○'' (السجدۃ ۳۲، آیت ۱۷) ترجمہ ''سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا اُن کیلئے (جنت میں) مخفی ہے۔ یہ صلہ ہے انکے (نیک) اعمال کا''۔

**نوٹ**: جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں کا تو ہم جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے، سوچ نہیں سکتے لیکن قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے، صرف چند ایک کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت **اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا**۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اہل جنت میں سے **سب سے کم مرتبے** والا جب باغوں، بیویوں، نعمتوں، خدّام اور (شاہانہ) تختوں کو دیکھے گا تو **ایک ہزار سال** کی مسافت تک ہوں گے اور ان میں **سب سے زیادہ مرتبے** والا وہ ہوگا جو ہر **صبح و شام** دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوگا'' (مشکوٰۃ، باب

دیدارِ الٰہی کا بیان، احمد، ترمذی)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور انہیں کوئی ایسی چیز نہیں دی گئی ہوگی جو اپنے رَبّ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو'' (مشکوٰۃ، مسلم)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد جو سب سے بڑی نعمت ہوگی، وہ **اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی**۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ تم پر اب کوئی خوف ہے، نہ غم۔ میں اب تم سے **کبھی ناراض نہیں ہوں گا**۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی رَضامندی دیتا ہوں کہ اسکے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا'' (مشکوٰۃ، متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جنت ایک اینٹ سونے سے اور ایک اینٹ چاندی سے بنائی گئی ہے جبکہ اسکا گارا مشکِ اَزفر ہے''۔ (مشکوٰۃ، احمد، ترمذی، دارمی)

**''جنت میں کوئی درخت نہیں مگر اسکا تنا سونے کا ہے''**۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''وہاں انسان صحت مند رہے گا، کبھی بیمار نہیں ہوگا۔ ہمیشہ جوان رہے گا، کبھی بوڑھا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ ناز و نعمت میں رہے گا، کبھی فکرمند نہیں ہو گا''۔ (مسلم)

انکے علاوہ اور بہت سی نعمتوں کا ذِکر ہے، مزید تفصیل کیلئے آپ دیکھیں مشکوٰۃ، **بابِ جنت اور اہلِ جنت کی صفات**۔

## وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶۷ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۔** (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۵۰۸)

**ترجمہ** : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مجھے ابنِ آدم اذیت پہنچاتا ہے۔ وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں۔ میرے دستِ قدرت میں جہاں کا کاروبار ہے۔ رات دِن کو میں ہی پھیرتا ہوں''۔

**نوٹ**: زمانے کا **تعلق وقت** سے ہے اور وقت کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جس وقت کا ہم ذِکر کرتے ہیں، وہ سورج، **زمین**، **چاند** اور ستاروں کی گردش سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وقت بذاتِ خود ایک **مفید چیز** ہے۔ دُنیا کے کام کاج وقت کے شعور اور مینجمنٹ (Management) کی بنا پر انجام پاتے ہیں۔ وقت تو بُرا نہیں ہوسکتا لیکن جو لوگ اس وقت میں رہتے ہیں، وہ اچھے یا بُرے ہو سکتے ہیں **لہٰذا زمانے کو بُرا کہنا دراَصل وقت کو پیدا کرنے والے کو بُرا سمجھنا ہے۔** ہمیں سنجیدگی سے یہ طرزِ گفتگو کہ زمانہ بُرا ہے یا اچھا ہے، ترک کر دینا چاہیے۔ اسکی جگہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ **فلاں وقت کے لوگ اچھے تھے یا بُرے تھے۔**

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶۸:** عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَارَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ضَاحِکًا حَتّٰی اَرٰی مِنْہُ لَھَوَاتِہٖ اِنَّمَا کَانَ یَتَبَسَّمُ قَالَ وَکَانَ اِذَا رَاٰی غَیْمًا اَوْ رِیْحًا عُرِفَ فِیْ وَجْھِہٖ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اَلنَّاسُ اِذَا رَاَوُ الْغَیْمَ فَرِحُوْا رَجَاءَ اَنْ یَکُوْنَ فِیْہِ الْمَطَرُ وَاَرَاکَ اِذَا رَاَیْتَہ عُرِفَ فِیْ وَجھِکَ الْکَرَاھِیَةُ فَقَالَ یَاعَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا مَایُؤْمِنِّیْ اَنْ یَکُوْنَ فِیْہِ عَذَاب'' عُذِّبَ قَوْم'' بِالرِّیْحِ وَقَدْ رَاٰی قَوْم'' الْعَذَابَ فَقَالُوْا ھٰذَا عَارِض'' مُمْطِرُنَا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۵۱۰)

**ترجمہ:** اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہء محترمہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھل کر ہنستے نہیں دیکھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلق کے سرخ گوشت کو دیکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صرف تبسم فرماتے تھے''۔ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بادل یا آندھی دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر پریشانی کا اَثر دیکھا جاتا''۔ انہوں نے عرض کی، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بادل دیکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر پریشانی پائی جاتی ہے''۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے (حضرت) عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میں پُرسکون نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے اس میں عذابِ الٰہی ہو کیونکہ ایک قوم کو آندھی کا عذاب دیا گیا (قومِ عاد)، ایک دوسری قوم نے عذاب دیکھا تو کہا کہ یہ تو بادل ہیں جو ہم پر برسیں گے'' (لیکن دَراصل وہ طوفانی آندھی تھی جس نے انکو ہلاک کیا)۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو کئی طریقوں سے عذاب دیا۔ قومِ نوح کو پانی سے یعنی بارش، چشموں اور دریاؤں میں طغیانی سے اور **قوم عاد کو آندھی کے طوفان** سے۔ بعض قوموں کو زلزلوں سے بھی عذاب دیا مثلاً **قوم ثمود**۔ آج کل بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا کے مختلف حصّوں پر ان تین ذرائع سے مصیبت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ نہیں بھولتے تھے کہ جو بادل نظر آ رہا ہے یا جو آندھی نظر آ رہی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی ہوسکتا ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہو جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈَرنے والا ہوں۔ ایک اَور حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تم لوگوں کو وہ سب کچھ بتادوں جسکا مجھے علم ہے تو تم ہنسنا کم کردو اور رونا زیادہ کردو۔

ہمارا طریقہ ایسا ہے گویا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو معمولی سمجھتے ہیں۔ ہماری بے نیازی ہمیں سخت نقصان دینے والی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بارشوں سے بڑے بڑے سیلاب آ جاتے ہیں جس میں لاکھوں انسان بے گھر اور اربوں روپوں کا نقصان ہو جاتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے **سامنے نہیں جھکتے**۔ یہی حال ہمارا اس وقت ہوتا ہے جب ملک میں کہیں زلزلہ آتا ہے۔ ہم وقتی طور پر ان مصیبتوں سے نکلنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن جس چیز کی اس **حدیث شریف میں ہمیں تنبیہ کی گئی ہے، وہ ہم ہرگز نہیں کرتے** یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ **نہ ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور نہ ہی ہم اپنے ٹیڑھے راستے سیدھے کرتے ہیں**۔ **شیطان** نے ہمیں آج کل اس راہ پر لگایا ہوا ہے کہ یہ چیزیں **سائنسی تغیرات کی وجہ** سے آتی ہیں حالانکہ سائنس کو بنانے والا اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ہے۔ اگر ہم اسکے سامنے جھکنے کی عادت ڈالیں اور اسکے **احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہوں** تو اللہ تعالیٰ ہمیں اسی سائنس کے ذریعے سے عذابوں سے محفوظ رَکھے گا انشاء اللہ العزیز۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ سے **بہت ڈَرنے والے** تھے اور ہر وقت ان آیات مبارکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہتے تھے، ''**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ**

عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَه‘ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْلَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○‘‘

(بقرۃ ۲، آیت ۲۸۶) ترجمہ ’’(ایمان لانے والو! تم یوں دُعا کیا کرو) اے ہمارے رَبّ! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ فرما۔ اے ہمارے رَبّ! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جتنا تو نے ہم سے پہلی قوموں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رَبّ! جس بوجھ کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رَکھ۔ ہمارے ساتھ دَرگزر کا معاملہ فرما اور ہمیں معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما‘‘۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۶۹:** عَنْ مُغِیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ، فَقِیْلَ لَہٗ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۵۱۷)

**ترجمہ:** حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں لمبا قیام فرماتے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دونوں پاؤں مبارک سُوج جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا، 'حضور! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے' (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتنی عبادت کیوں فرماتے ہیں)'۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، 'کیا میں اللہ ربّ العزت کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد'' ○ ''(ابراہیم ۱۴، آیت ۷) ترجمہ ''اور یاد رکھو کہ تمہارے رَبّ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دی تھی کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بڑا سخت ہے''۔

**یہ اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون ہے** کہ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو محبوب رَکھتا ہے اور اپنی دُنیا اور آخرت کی نعمتیں زیادہ دیتا ہے اور **نعمتوں کا کفر (یعنی ناشکری)** کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بالآخر ان نعمتوں سے محروم فرما دیتا ہے اور آخرت میں بھی وہ خسارے میں رَہے گا۔ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شاکر کون ہوسکتا ہے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے **مقامِ محمود** کا وعدہ فرمایا ہے۔

ہماری اکثریت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی طرف نہیں آتی۔ معاشرے کے بلند ترین منصب سے لے کر ادنیٰ ترین شہری تک ہم **ہر وقت گلے شکوے میں رہتے ہیں۔ کبھی لوگوں سے گلہ ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ سے۔ کبھی حالات کا گلہ**

کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ہم بحیثیت ایک قوم کے کم شکر کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔اسکا نتیجہ **اہلِ بصیرت** کو تو نظر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں جو پہلے ہمیں دی ہوئی تھیں، ان سے ہم کو محروم کر دیا ہے لیکن ہم پھر بھی **کفرانِ نعمت کی عادت** نہیں چھوڑتے۔اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دعوت دینی ہے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک کر اسکی موجودہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوگا۔انہی نعمتوں میں سے **ایک نعمت آزادی کی نعمت ہے جسکے پیچھے ہمارے دُشمن لگے ہوئے ہیں**۔اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا تو ہمیں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔آزادی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے، اسکی قدر کرنا دَراصل اللہ تعالیٰ کی قدر کرنا ہے۔اگر آپ اسکی قدر کرنا نہیں جانتے تو یاد رَکھیے کہ پھر آپ اللہ تعالیٰ کی قدر کرنا بھی نہیں جانتے اور پھر اللہ تعالیٰ ناقدری کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ٹھکرا بھی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں اور معروف پر عمل کریں اور منکرات کو چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہوا ہے لیکن ہم انکو بروئے کار لانے کے بجائے **سیاست چمکانے** کیلئے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہے ہیں۔ان میں سے ایک ہمارے دریا تھے جن پر ہمارا ایک ہمسایہ ملک اپنے ڈیم بنائے جا رہا ہے اور ہمیں ان قدرتی دریاؤں کے پانی سے محروم کرنے کا ایک بہت بڑا منصوبہ رَکھتا ہے۔ہم ہیں کہ ہم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ ہمارے سیاسی اور غیر سیاسی حکمران سوائے ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے کے اَور کچھ نہیں کرتے۔ **وہ اپنا سارا وقت اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات میں ہی صَرف کر دیتے ہیں**۔یہ منصب (حکمرانی) دَراصل اُمّت کی ان کے پاس **اَمانت** ہے اور وہ اَمانت میں واضح طور پر **خیانت** کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ **مالی خیانت** جو وہ کر رہے ہیں، وہ تو قوم کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ ہماری حکومتیں ساٹھ سال سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کی توفیق سے بالکل محروم ہیں۔نہ ہی ان کو آزادی کی قدر و قیمت کا پتہ ہے اور نہ ہی وہ آزاد عوام کے حقوق کی ادائیگی کا شعور رَکھتے ہیں۔

ان حالات میں ہمارا مستقبل روشن تو نظر نہیں آتا لیکن ہم اللہ تعالیٰ سے اُمید ضرور

رَکھتے ہیں کہ ہمیں ایسے حکمران عطا فرمائے جو اپنی خواہشات اور بندوں کے بندے نہ ہوں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں۔

ہمارے لیڈر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے ہیں اور نہ ہی وہ عوام کی بہبود کا شعور رَکھتے ہیں۔عوام کی اکثریت بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدۂ شکر بجا نہیں لاتی۔اس طرح ہم کیسے اپنے روشن مستقبل کی اُمید رَکھ سکتے ہیں؟ ہمیں اس آیت مبارکہ کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

جو کوئی بھی اپنے منصب کی ذمّہ داریاں پوری نہیں کرتا خواہ وہ ملک کا صدر ہو یا ایک چپڑاسی، وہ امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

○.....○.....○

**حدیث ۷۰:** عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا لَیْلَۃً مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا قَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ" ۔(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۵۳۱)

**ترجمہ** : حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''ہم ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا، 'عنقریب تم اپنے رَبّ تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس (اللہ تعالیٰ) کو دیکھنے میں تم آپس میں جھگڑا نہیں کرو گے۔ اگر تم سے ہو سکے تو سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے نماز میں سستی نہ کرو' (یعنی نمازِ فجر اور نمازِ عصر)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ج''(ق ۵۰، آیت ۳۹) ترجمہ ''اور اپنے پروردگار کی تعریف کرتے رہیے۔ آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے''۔

**نوٹ:** اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے نماز ادا کی جائے یعنی نمازِ فجر اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی ایک نماز ادا کی جائے یعنی نمازِ عصر۔ ان دو نمازوں کی فضیلت اس حدیث مبارکہ کی رُو سے یہ ہے کہ جو اِن دو نمازوں کی پابندی کرے گا، وہ جنت میں جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی مزید فضیلتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''صبح و شام کی نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یعنی فجر اور عصر

کے وقت اور انکی اس وقت ڈیوٹی بدلتی ہے۔صبح کے فرشتے جب واپس جاتے ہیں تو رَبّ تعالیٰ عالم الغیب ہونے کے باوجود دریافت فرماتا ہے،تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جب ہم پہنچے تھے تو وہ مصروفِ نماز تھے اور جب ہم آئے ہیں تو بھی وہ مصروفِ نماز تھے''۔(متفق علیہ)

اس طرح آپ کی فجر اور عصر کی نماز کی گواہی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور آپ پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث شریف میں پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''اگر نمازِ فجر اور نمازِ عشاء کا اَجر معلوم ہو جائے تو نمازی سرین کے بل گھسٹتا ہوا مسجد میں حاضر ہونے کیلئے آئے''۔ (متفق علیہ، یہ طویل حدیث مبارکہ کا ایک ٹکڑا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''جسکی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا کہ اسکا گھر بار لُٹ گیا''(نسائی،جلد اوّل، حدیث ۵۱۶) یعنی اسکو آخرت میں اتنا نقصان ہوا جتنا کہ اسکو اس دُنیا میں اپنے گھر کا نقصان ہوا ہے کہ اسکے گھر کی ساری پونجی جب لٹ جاتی ہے تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت انسان کی کیسی حالت ہوتی ہے۔قیامت کے روز جب اسکو پتہ چلے گا کہ اسکی نمازِ عصر فلاں فلاں وقت میں فوت ہوگئی تھی تو تب اسکو اندازہ ہوگا کہ ایک نماز چھوڑنے سے کتنا نقصان ہوا اور اسکی نفسیاتی حالت وہی ہو جائے گی جیسا کہ دُنیا میں اسکا دنیاوی گھر لٹنے میں ہو جاتی تھی۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر عصر کی نماز کی بہت ہی تاکید فرمائی ہے۔فرمایا،''**حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝**''(البقرۃ۲،آیت۲۳۸)ترجمہ''(سب ہی)نمازوں کی پابندی رَکھو اور(خصوصاً)درمیانی نماز یعنی عصر کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزوں کی طرح کھڑے ہوا کرو''۔

**وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ**

○.....○.....○

# جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا

| نمبر شمار | نام کتاب ومصنف |
|---|---|
| ۱ | القرآن الحکیم |
| ۲ | تفہیم البخاری از غلام رسول رضوی صاحب |
| ۳ | شرح مسلم شریف از غلام رسول سعیدی صاحب |
| ۴ | جامع ترمذی ترجمہ از مولانا فضل احمد صاحب |
| ۵ | سنن نسائی ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب |
| ۶ | سنن ابن ماجہ ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب |
| ۷ | سنن ابوداؤد ترجمہ از مولانا خورشید حسن قاسمی صاحب |
| ۸ | مؤطّا امام مالک ترجمہ از مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب |
| ۹ | مؤطّا امام محمد ترجمہ از محمد منشا تابش قصوری صاحب |
| ۱۰ | کشف **المحجوب** از حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ<br>ترجمہ : طفیل محمد صاحب |
| ۱۱ | شمائل ترمذی شریف ترجمہ از مولانا محمد زکریا صاحب |
| ۱۲ | مشکوۃ المصابیح ترجمہ از مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب |
| ۱۳ | سیرۃ النبی ﷺ از شبلی نعمانی صاحب وسیّد سلیمان ندوی صاحب |
| ۱۴ | ترجمان السنۃ از محمد بدرِ عالم صاحب |
| ۱۵ | حکمران صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) محمود احمد غضنفر |

○.....○.....○